36

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

www.tanzeem.org

تنظیم اسلامی کا ترجمان

مسلسل اشاعت کا 35واں سال

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

9 تا 15 ربیع الثانی 1448ھ / 22 تا 28 ستمبر 2026ء

اس شمارے میں

اللہ تعالیٰ نورِ بصیرت عطا فرمائے!

نفاذِ شریعت میں پوشیدہ حکمتیں اور.....

مکہ معظمہ پر ڈرون حملہ

ختمِ نبوت کے دو مفہوم

ہوئے تم دوست جس کے......

مسئلہ کشمیر کا قابلِ عمل حل چاہیے!

کشتیٔ قرآن: طاغوت کے سیلاب سے بچنے کا راستہ!

یہ قرآن مجید کی بہت مختصر سی آیت ہے، جو چند لفظوں پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ (الحجر)
''بے شک ہم نے ''الذکر'' کو نازل کیا ہے، اور ہم ہی یقینی طور پر اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

''وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ'' کے اندر پچاس اعلانات ہیں۔ اس کے اندر اعلان ہے کہ ہم اس کتاب کو، اس کتاب کے اندر جو مطالب ہیں، ان مطالب کو بھی زندہ رکھیں گے، ہم اس پر عمل کرنے کے سلسلہ کو بھی باقی رکھیں گے، ہم اس کتاب کی حفاظت کرنے والوں کی بھی حفاظت کریں گے۔ اس کتاب کو یاد کرنے والوں کی بھی عزت کرائیں گے۔ اس کتاب کا علم حاصل کرنے والوں کے سلسلہ کو بھی باقی رکھیں گے۔ ہم اس زبان کو بھی محفوظ رکھیں گے۔ جس زبان میں یہ نازل ہوئی ہے۔ اس ملک کی بھی حفاظت کریں گے، یہ زبان ہے!

ہم اس قرآن کے محافظ ہیں تو اس کے حاملین کے بھی محافظ ہیں، یہ نہیں ہو سکتا کہ اذان رہے، مؤذن نہ رہے۔
اس ''وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ'' میں ساری حفاظتیں اور ضمانتیں ہیں۔ اس لیے مبارک ہیں، وہ لوگ جو اپنے کو اس سلسلہ میں داخل کریں۔ اس کشتیٔ نوح میں اپنے کو آپ بٹھا دیں۔ ''آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں سوائے اس کے جس پر اللہ رحم کرے۔'' (ہود:43) ایک ہی جگہ تھی طوفانِ نوح میں بچنے کی۔ اس وقت بھی اگر کوئی جگہ ہو سکتی ہے، جبکہ ایک سیلاب اُمڈا چلا آ رہا ہے۔ ساری دنیا پر مادیت کا، نفس پرستی کا، خواہش پرستی کا، قوت پرستی کا، طاقت پرستی کا، یہ سب کو لے ڈوبے گا۔ اس وقت کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے۔ کشتی ''قرآن'' ہے، جو اس میں جگہ حاصل کرے گا وہی بچے گا۔ دنیا میں مسلمانوں کی حفاظت کی کوئی جگہ نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ہم قرآن مجید کے سائے کے نیچے آ جائیں۔
حفاظت کا راز قرآن مجید کی تعلیمات کی بقا میں ہے، یہ ضمانت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے: ''وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ'' ''ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں!!''

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی

مسجدِ اقصیٰ کی حرمت اور فلسطینی مسلمانوں
کو اپنی دعاؤں میں شامل رکھیں!

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر صبر و شکر

سورۃ لقمٰن | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیت: 31

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ الۡفُلۡکَ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِنِعۡمَتِ اللّٰہِ لِیُرِیَکُمۡ مِّنۡ اٰیٰتِہٖ ؕ
اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ﴿۳۱﴾

آیت ۳۱: ﴿اَلَمۡ تَرَ اَنَّ الۡفُلۡکَ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِنِعۡمَتِ اللّٰہِ لِیُرِیَکُمۡ مِّنۡ اٰیٰتِہٖ ؕ﴾ ’’کیا تم دیکھتے نہیں کہ کشتیاں چلتی ہیں سمندر میں اللہ کی نعمتوں کو لے کر تا کہ وہ دکھائے تمہیں اپنی نشانیوں میں سے۔‘‘

یعنی یہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں اور بڑے بڑے جہاز ہزاروں ٹن وزنی ساز و سامان اٹھائے رواں دواں ہیں۔

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ﴿۳۱﴾﴾ ’’یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے جو صبر اور شکر کرنے والا ہے۔‘‘

صَبَّار ’فَعَّال‘ کے وزن پر اور شَکُوۡر ’فَعُوۡل‘ کے وزن پر مبالغے کے صیغے ہیں‘ یعنی بہت زیادہ صبر کرنے والا اور بہت زیادہ شکر کرنے والا۔

درس حدیث

کسی کی نقل اتارنا

عَنۡ عَائِشَۃَ ؓ قَالَتۡ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((مَا اُحِبُّ اَنِّیۡ حَکَیۡتُ اَحَدًا وَّاَنَّ لِیۡ کَذَا وَ کَذَا)) (رواہ الترمذی)

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’میں پسند نہ کروں گا کہ کسی کی نقل اتاروں‘ خواہ مجھے اتنا اور اتنا معاوضہ مل جائے۔‘‘

زبان سے گالی گفتار‘ لعن طعن اور سخت کلامی یا پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرنا تو سب سمجھدار لوگ برا سمجھتے ہیں اور اس کو چھوڑ دینے کی نصیحت بھی کرتے ہیں اور مانتے ہیں کہ یہ باتیں باہمی میل جول کے لیے زہرِ قاتل ہیں۔ اس حدیث میں جس چیز سے منع فرمایا گیا ہے یہ ایذا رسانی اور غیبت کی بدترین شکل ہے۔ دوسروں کی نقلیں اتارنا خواہ تفریحِ طبع کے لیے ہو یا تضحیک اور رسوائی کے لیے انتہائی مذموم اور انسانیت سے گری ہوئی بات ہے۔ اس سے نہ صرف دوسرے کی توہین ہوتی ہے بلکہ نقل اتارنے والا خود بھی اپنے آپ کو دوسروں کی نگاہوں میں گرا لیتا ہے۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
9تا15ربیع الثانی 1448ھ جلد 35
22تا28 ستمبر 2026ء شمارہ 36
مدیر مسئول: شجاع الدین شیخ
مدیر اعزازی: حافظ عاکف سعید
مدیر: رضاء الحق
مجلس ادارت: ٭فرید اللہ مروت ٭محمد رفیق چودھری ٭وسیم احمد باجوہ ٭خالد نجیب خان
نگرانِ طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: سکریٹری دین حق ٹرسٹ لاہور
مطبع: آر آر پرنٹرز، سگیاں روڈ، لاہور
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
"دارالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقامِ اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
nk@tanzeem.org
قیمت فی شمارہ 30 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرون ملک......1,200 روپے
بیرون پاکستان
امریکہ کینیڈا آسٹریلیا وغیرہ (32,000 روپے)
انڈیا یورپ ایشیا افریقہ وغیرہ (24,000 روپے)
ڈرافٹ منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org
"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ
رضاء الحق

اللہ تعالیٰ نورِ بصیرت عطا فرمائے!

بظاہر ایران، امریکہ، اسرائیل جنگ کی خبریں اب پیچھے جا چکی ہیں کیونکہ سعودی عرب کے مختلف علاقوں میں خاص طور پر مکہ مکرمہ اور پھر طائف پر حوثیوں کے مبینہ ڈرون حملوں نے مسلم دنیا کو پریشان کر دیا ہے اور اس مخدوش صورتِ حال میں مکہ معاہدہ جس میں سعودی عرب، پاکستان اور ترکیہ فریق ہیں، پہلی مرتبہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ حالیہ اطلاعات کے مطابق سعودی عرب پر حوثی حملوں کے بعد پاکستان نے واضح کیا ہے کہ اگرچہ وہ دفاعی معاہدے کے لیے پُرعزم ہے، تاہم فوری طور پر کسی فوجی کارروائی کا فیصلہ نہیں کیا گیا۔ یہ پیش رفت ایک طرف پاکستان کی ذمہ داریوں کو ظاہر کرتی ہے، دوسری طرف اس امر کی یاد دہانی بھی کراتی ہے کہ مسلم ممالک کے باہمی دفاعی معاہدے صرف کاغذی دستاویزات نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ان کے پیچھے واضح حکمتِ عملی، مشترکہ سیاسی بصیرت اور حقیقی اجتماعی قوت موجود ہونی چاہیے۔ یمن میں حوثیوں اور سعودی عرب کے درمیان جاری تنازع نے ایک مرتبہ پھر ثابت کیا ہے کہ مسلم دنیا کی داخلی تقسیم کس قدر تباہ کن نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ حوثی قوتوں کی جانب سے سعودی تنصیبات اور اہم بحری راستوں کو نشانہ بنانا، جبکہ سعودی عرب کی جانب سے امریکی حمایت کی تلاش، اس بحران کو مزید پیچیدہ بنا رہی ہے۔ تازہ رپورٹس کے مطابق باب المندب اور بحیرہ احمر کے بعض اہم علاقوں میں حوثی اثر و رسوخ بڑھا ہے، جس سے عالمی تجارت اور تیل کی ترسیل کو بھی خطرات لاحق ہوئے ہیں۔ یہ صورتِ حال مسلم دنیا کے لیے ایک بڑا سبق ہے۔ اگر مسلمان ممالک باہمی اختلافات کو دشمن طاقتوں کے ہاتھ میں کھیلنے کا ذریعہ بننے دیں گے تو کوئی بھی دفاعی معاہدہ دیرپا سلامتی فراہم نہیں کر سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ مشرقِ وسطیٰ ایک مرتبہ پھر تاریخ کے نہایت نازک اور فیصلہ کن دور سے گزر رہا ہے۔ ایران اور امریکہ کے درمیان جاری جنگ، اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سفارتی کشیدگی، مذاکراتی عمل کی غیر یقینی صورتِ حال، اسرائیل کی مسلسل جارحانہ پیش قدمی، غزہ کی تباہی، لبنان کی بے بسی، مغربی کنارے میں صہیونی توسیع پسندی اور مسجدِ اقصیٰ کو درپیش خطرات، یہ سب واقعات الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی عالمی منصوبہ بندی کے مختلف پہلو ہیں۔ مسلمان ان واقعات کو اگر محض وقتی سیاسی بحران سمجھ کر نظرانداز کریں گے تو اس عظیم تاریخی تبدیلی کو سمجھنے سے محروم رہ جائیں گے جو پوری اُمّتِ مُسلمہ کے مستقبل کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ لیکن ایمان کا تقاضا محض جذباتی تسلی نہیں بلکہ حقیقتِ حال کا ادراک، دشمن کی سازشوں کو سمجھنا، اپنی کمزوریوں کا اعتراف اور اصلاح و جدوجہد کی عملی منصوبہ بندی بھی ہے۔ آج مسلم دنیا کو اسی شعور کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ایران اور امریکہ کے درمیان موجودہ بحران نے یہ حقیقت ایک مرتبہ پھر واضح کر دی ہے کہ عالمی طاقتوں کی سیاست اصولوں اور اخلاقیات سے زیادہ مفادات، طاقت اور جغرافیائی حکمتِ عملی کے تابع ہوتی ہے۔ امریکہ نے ایران کے خلاف جنگی دباؤ، اقتصادی پابندیوں اور عسکری محاصرے کو اپنی پالیسی کا بنیادی ذریعہ بنایا، جبکہ ایران نے اپنے میزائل و ڈرون پروگرام، علاقائی اثر و رسوخ اور مزاحمتی قوت کے ذریعے اس دباؤ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ یہاں ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے: کیا مذاکرات واقعی امن کے لیے ہو رہے تھے یا جنگ کے ذریعے مطلوبہ سیاسی نتائج حاصل نہ ہونے کے بعد طاقت کا دوسرا ذریعہ اختیار کیا گیا ہے؟ تاریخ گواہ ہے کہ امریکہ مذاکرات کو اکثر اپنی تزویراتی حکمتِ عملی کا حصہ بناتا ہے۔ جہاں عسکری قوت سے مطلوبہ نتائج فوری طور پر حاصل نہ ہوں، وہاں اقتصادی دباؤ، سفارتی تنہائی، داخلی انتشار اور مذاکراتی وعدوں کے ذریعے مخالف قوت کو

کمزور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایران کے معاملے میں بھی یہی معاملہ کھل کر سامنے آیا ہے۔

امریکہ ایک طرف ایران کے ساتھ مذاکرات کی بات کرتا ہے اور دوسری طرف اسرائیل کو سیاسی، عسکری اور سفارتی حمایت فراہم کرتا ہے۔ اس تضاد سے واضح ہوتا ہے کہ واشنگٹن کی ترجیح خطے میں حقیقی امن نہیں بلکہ اپنے اتحادی اسرائیل کی اسٹریٹجک برتری برقرار رکھنا ہے۔ اگر مستقبل کے مذاکرات (جو فی الحال تو مردہ دکھائی دیتے ہیں، مکہ دفاعی معاہدہ کی طرح) میں اسرائیل کی جارحیت کے خاتمے، فلسطینیوں کے بنیادی حقوق، غزہ کی ناکہ بندی کے خاتمے، لبنان کی خودمختاری اور مغربی کنارے میں صیہونی آبادکاری کے خاتمے کو شامل نہیں کیا جاتا تو یہ پورا عمل امن کے قیام کی کوشش نہیں بلکہ طاقت کے موجودہ عدم توازن کو قانونی جواز دینے کی کوشش ہوں گے۔ ایران کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہی ہے کہ اسے الگ تھلگ کر کے کمزور کیا جائے، اس کے بعد عرب ممالک کو اسرائیل کے ساتھ معمول کے تعلقات قائم کرنے پر آمادہ کیا جائے اور پورے خطے میں مزاحمت کی تمام قوتوں کو غیر مؤثر بنا دیا جائے۔ یہ منصوبہ صرف ایران کے خلاف نہیں بلکہ پوری اُمّتِ مُسلمہ کے خلاف ہے۔

مشرق وسطیٰ کے موجودہ بحران کو سمجھنے کے لیے اسرائیل کے بنیادی عزائم کو سمجھنا ناگزیر ہے۔ اسرائیل کی ریاستی پالیسی محض اپنے موجودہ جغرافیائی حدود کے تحفظ تک محدود نہیں رہی بلکہ وہ وسیع تر علاقائی توسیع کا خواہاں ہے۔ اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو متعدد مواقع پر اسرائیل کے 'تاریخی' اور 'روحانی' مشن کا ذکر کرتے رہے ہیں۔ ان کے سیاسی بیانات اور صیہونی نظریاتی حلقوں کے عزائم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسرائیل کی موجودہ قیادت خطے میں ایک ایسے سیاسی اور جغرافیائی نظام کی تشکیل چاہتی ہے جس میں اسرائیل کو مرکزی اور بالادست قوت حاصل ہو۔ "گریٹر اسرائیل" کا تصور اسی توسیع پسندانہ ذہنیت کی ہی نمائندگی کرتا ہے۔ اسرائیل کے لیے ایران کا وجود ایک بڑی رکاوٹ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ ایران خطے کی واحد بڑی ریاست ہے جو کھلے طور پر اسرائیلی بالادستی کو چیلنج کرتی ہے۔ اسی لیے ایران کے خلاف جنگ کو محض جوہری پروگرام یا علاقائی سلامتی کا مسئلہ قرار دینا حقیقت کو محدود کرنے کے مترادف ہے۔ اگلا نشانہ عرب ممالک، ترکیہ اور پاکستان دکھائی دیتے ہیں۔ اللہ خیر کرے! یہ بھی یاد رہے کہ فلسطین کا مسئلہ صرف غزہ کا مسئلہ نہیں ہے۔ مغربی کنارے میں صیہونی آبادکاری، فلسطینی زمینوں پر قبضہ، گھروں کی مسماری اور مقامی آبادی کو بے دخل کرنے کی کارروائیاں ایک منظم منصوبے کا حصہ ہیں۔ اسرائیلی آبادکاری کے ذریعے فلسطینی ریاست کے کسی بھی ممکنہ جغرافیائی تسلسل کو ختم کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح مسجد اقصیٰ کو درپیش خطرات پہلے سے کہیں زیادہ سنگین ہو چکے ہیں۔ مسجد اقصیٰ صرف فلسطینی مسلمانوں کا مقدس مقام نہیں بلکہ پوری اُمّتِ مُسلمہ کی ایمانی اور تاریخی شناخت کا حصہ ہے۔ صیہونی مذہبی انتہا پسند عناصر کی جانب سے مسجد اقصیٰ میں یہودی عبادات کی اجازت اور اس کے مذہبی و انتظامی تشخص کو تبدیل کرنے کی کوششیں انتہائی خطرناک پیش رفت ہیں۔ اس مقصد کے پیچھے صیہونیوں کا تیسرے ہیکل (Third Temple) کی تعمیر کا نظریہ بھی موجود ہے، جس کے لیے مسجد اقصیٰ کے موجودہ تشخص اور اسلامی حیثیت کو ختم کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مسلمان حکمرانوں کی خاموشی، بے حسی اور بے ہمتی ناقابل فہم حد تک خطرناک ہو جاتی ہے۔ اگر مسجد اقصیٰ کے خلاف کوئی فیصلہ کن قدم اُٹھایا گیا تو اس کے اثرات پورے عالمِ اسلام پر مرتب ہوں گے۔ عرب دنیا کے حکمرانوں کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسرائیل کی توسیع پسندی صرف فلسطینیوں کے خلاف نہیں ہے بلکہ ایسے مشرق وسطیٰ کی تشکیل ہے جہاں مسلم ممالک سیاسی طور پر تقسیم، عسکری طور پر کمزور، اقتصادی طور پر غیر اہم اور باہمی اختلافات میں مبتلا رہیں۔

دوسری طرف پاکستان کو موجودہ بحران میں انتہائی محتاط، متوازن اور اصولی خارجہ پالیسی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان محض ایک تماشائی نہیں بلکہ مسلم دنیا کی ایک اہم ریاست ہے، جو اپنی جغرافیائی، عسکری اور سیاسی حیثیت کے باعث خطے کے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ پاکستان کو سب سے پہلے یہ سمجھنا ہوگا کہ امریکہ، اسرائیل اور بھارت اُس کے دوست کبھی نہیں ہو سکتے۔ بھارت کی اسرائیل کے ساتھ بڑھتی ہوئی عسکری، دفاعی اور انٹیلی جنس شراکت داری پاکستان کے لیے خاص طور پر تشویش کا باعث ہے۔ اسرائیل اور بھارت دونوں ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ فلسطینی علاقوں میں آبادی پر کنٹرول، نگرانی کے نظام، جدید جنگی ٹیکنالوجی اور عسکری حکمتِ عملی کے میدان میں دونوں ممالک کے تعلقات کسی سے پوشیدہ نہیں۔ پاکستان کو یہ دیکھنا ہوگا کہ اگر مشرقی سرحد پر بھارت اور مغربی و جنوبی ایشیا میں امریکہ و اسرائیل کے مفادات باہم مربوط ہو جائیں تو پاکستان کی سلامتی کے لیے نئے چیلنجز پیدا ہو سکتے ہیں۔ پاکستان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اقتصادی انحصار اکثر سیاسی دباؤ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جس قوم کی معیشت کمزور ہو، اس کی خارجہ پالیسی بھی مسلسل دباؤ کا شکار رہتی ہے۔ لہٰذا پاکستان کی اصل ضرورت صرف عسکری طاقت نہیں بلکہ خود انحصاری، سیاسی استحکام، اقتصادی اصلاحات اور قومی وحدت ہے۔ ہمارے نزدیک ان سب سے بھی ضروری پاکستان میں نظریۂ اسلام کو عملی جامہ پہنا کر اُسے صحیح معنوں میں ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانا ہے۔ یہی پاکستان کے قیام اور بقا کی وجہِ جواز ہے۔

سعودی عرب، ایران، ترکیہ، پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ باہمی اختلافات سے بلند ہو کر اپنی اجتماعی سلامتی اور مستقبل کے بارے میں سنجیدہ فیصلے کریں۔ مشرق وسطیٰ میں آج جو کچھ ہو رہا ہے، وہ صرف ایک خطے کی جنگ نہیں؛ یہ پوری اُمّتِ مُسلمہ کے لیے ایک آئینہ ہے۔ اس آئینے میں ہمیں اپنی کمزوری، اپنی غفلت، اپنی تقسیم اور اپنی سیاسی بے بصیرتی صاف دکھائی دیتی ہے۔ اب فیصلہ ہمیں کرنا ہے کہ ہم اس صورتِ حال کے محض تماشائی بنے رہیں گے یا قرآن و سنت کی رہنمائی میں اپنی اجتماعی ذمہ داری کو پہچان کر اصلاح، اتحاد اور اقامتِ دین کی جدوجہد کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان سمیت اُمّتِ مُسلمہ کی سیاسی و عسکری قیادتوں کو نورِ بصیرت عطا فرمائے۔ آمین!

نفاذِ شریعت میں پوشیدہ حکمتیں اور مصلحتیں

قرآن وحدیث کی روشنی میں

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی میں امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ ﷾ کے 11 ستمبر 2026ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

خطبہ مسنونہ اور تلاوت آیات قرآنی کے بعد!

گزشتہ ایک ماہ کے دوران اقامت دین کی جدوجہد کے حوالے سے خطبات جمعہ میں گفتگو ہوئی اور ہم نے قرآن وحدیث کے حوالہ جات کے علاوہ اسلاف اور مفسرین کے اقوال اور آراء بھی پیش کیں۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ اقامت دین کی جدوجہد کی فرضیت موجودہ دور کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس بات پر اُمت کے علماء کا مستقل اتفاق چلا آیا ہے۔ اسی دوران ایک اہم نکتہ یہ بھی سامنے آیا کہ دین کے احکامات میں پوشیدہ حکمتیں بھی اللہ تعالیٰ نے رکھی ہوتی ہیں جو بعض اوقات انسان کو سمجھ میں نہیں آتیں لیکن اُن پر عمل کرنے میں انسان اور انسانی معاشرے کا اپنا ہی فائدہ ہوتا ہے۔ یہ حقیقت اگر ہمارے علم میں ہو تو اطمینان قلب بڑھ جاتا ہے اور عمل کی طرف رغبت بڑھتی ہے۔ اگرچہ ہمارے دین میں شریعت کا حکم اس بات پر منحصر نہیں ہوتا کہ ہماری عقل میں ایک بات کی سمجھ آرہی ہے یا نہیں۔ ہمارا ایمان تو یہ ہے: ((تصدیق بما جاء بہ النبی ﷺ)) ہر وہ خبر جو نبی کریم ﷺ نے دی، اس کی تصدیق کرنا ایمان ہے۔

جب اللہ کو مان لیا تو اس کی ہر بات ماننی ہے۔ ایک مرتبہ جب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تو ان کی ہر بات ماننا پڑے گی۔ البتہ ایمان لانے کے بعد بندہ غور وفکر کرے، حکمت کو تلاش کرے، اسرار و رموز کو تلاش کرے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر یہ آیت کریمہ بڑی شان کے ساتھ نازل کی گئی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ (المائدۃ:3) ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر اتمام فرما دیا ہے اپنی نعمت کا۔''

دین زحمت کے طور پر نہیں نعمت کے طور پر آیا ہے۔ بعض جگہ مشکل لگتی ہے تو اس میں بھی خیر ہی ہوتی ہے ان شاء اللہ۔ کیا ہم بچوں کی ایجوکیشن میں جان نہیں لگاتے، جان نہیں لگاتے اپنے پروفیشن میں، جان نہیں لگاتے اپنے کیریئر میں، جان نہیں لگاتے اپنے بزنس میں، ورسک نہیں لیتے بزنس کے اندر۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد ہی دنیا میں کچھ ملتا ہے۔ اگر دین کی راہ میں مشقت آجائے، تو کون سا بڑا مسئلہ ہے؟ وہاں پر تو پھر اللہ کی رضا ملنے والی ہے۔ اللہ کی جنت ملنے والی ہے۔ ہمیشہ کی کامیابی ملنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیجا تو کیا فرمایا:

مرتب: ابوابراهیم

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء)
''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر۔''

نبی رحمتؐ جو دین لے کر آئے ہیں وہ زحمت کے لیے نہیں بلکہ وہ نعمت کے لیے ہے۔ یہ انسانوں کا بنایا ہوا قانون نہیں ہے جس کو ہم قرآن اور سنت کہتے ہیں، یہ رب کائنات کا عطا کردہ قانون ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾ (الملک:14)
''کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟''

اللہ خوب جانتا ہے میرے بندے کے لیے کیا شے فائدہ مند ہے، کیا شے نقصان دہ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کئی مقامات پر اپنی صفت الحکیم کو بار بار ذکر فرماتا ہے اور العزیز کے ساتھ ذکر فرماتا ہے:

﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (الجمعہ) ''اور وہ بہت زبردست ہے' کمال حکمت والا ہے۔''

عزیز کا ایک ترجمہ مکمل اختیار رکھنے والا ہے، جو چاہے حکم دے۔ دنیا میں ہم کہتے ہیں: Boss is always right۔ اللہ تو رب کائنات ہے! وہ پوری کائنات کا بنانے، چلانے، تدبیر فرمانے والا ہے۔ وہ العزیز ہے، کل اختیار رکھنے والا، جو چاہے سو حکم دے۔ البتہ! وہ الحکیم ہے، اس کے احکام میں حکمتیں ہیں، مصلحتیں ہیں، فوائد ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہر بات کی مصلحت سمجھ میں آجائے؟ اسی طرح سورۃ الجمعہ میں ارشاد ہوتا ہے:

''وہی تو ہے جس نے اٹھایا اُمّیین میں ایک رسول اُن ہی میں سے' جو اُن کو پڑھ کر سناتا ہے اُس کی آیات اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں تعلیم دیتا ہے کتاب وحکمت کی۔ اور یقیناً اس سے پہلے تو وہ کھلی گمراہی میں تھے۔'' (آیت:2)

آج بھی اگر کوئی تعلیم، کوئی ازم (ism)، کوئی نظام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیم کے برعکس ہے تو وہ کھلی گمراہی ہے بظاہر کتنا ہی جاذب نظر لگ رہا ہو۔ اس قرآن کے آنے سے پہلے اور صاحب قرآن رسول اللہ ﷺ کے آنے سے پہلے یہ کھلی گمراہی میں تھے۔ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اس آیت کی تفہیم اور تشریح میں بارہا دروس دیئے اور ''نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت'' کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی تحریر فرمایا۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی چار بنیادی ذمہ داریوں کا ذکر آیا:

1۔ قرآن کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس قرآن کے ذریعے دل نرم ہوتے ہیں۔

2۔ وہ تزکیہ کرتے ہیں۔ دل میں اللہ کی محبت، آخرت کی فکر، جواب دہی کا احساس اور خالق سے محبت پیدا ہو جائے۔

3۔ ان کو کتاب کی تعلیم دیتے ہیں۔ کتاب کا لفظ احکام کے لیے بھی آتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت 183

میں فرمایا: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ ''تم پر بھی روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے۔''

لہٰذا ایک مفہوم یہ ہوگا کہ آپ ﷺ احکام کی تعلیم دیتے ہیں۔ جب قرآن کے ذریعے دل نرم ہو جائیں گے، تزکیہ کے ذریعے باطن پاک ہو جائے گا تو پھر جو بھی حکم آئے گا اس کو ماننا اور اُس پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔ چاہے وہ نماز میں جھکنے کا حکم ہو یا میدان قتال میں گردن پیش کرنے کا ہو۔

4. وہ حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اللہ کا حکم ماننا پہلی شرط ہے، پھر حکمت تلاش کریں کوئی منع نہیں۔ قرآن کریم میں اس کی دلیل بھی ہے اور اُمت کے اسلاف نے اس پر کام بھی کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشہور واقعہ قرآن میں بھی بیان ہوا ہے:

''اور یاد کرو جبکہ ابراہیمؑ نے بھی کہا تھا: پروردگار! ذرا مجھے مشاہدہ کرادے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: کیا تم (اس بات پر) ایمان نہیں رکھتے؟ کہا: کیوں نہیں! (ایمان تو رکھتا ہوں) لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل پوری طرح مطمئن ہو جائے۔ فرمایا: اچھا تو چار پرندے لے لو اور انہیں اپنے ساتھ ہلا لو پھر اُن کے ٹکڑے کر کے ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو۔'' (البقرۃ: 260)

یہاں بھی واضح ہو گیا کہ ایمان لانے کے بعد حکم ماننا شرط ہے۔ اس کے بعد دل کے اطمینان کے لیے حکمت تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی لیے اللہ نے انبیاء کو معجزے عطا فرمائے تاکہ وہ پورے وثوق اور یقین اور conviction کے ساتھ لوگوں کے سامنے دعوتِ دین کو پیش کر سکیں۔ اسی تناظر میں اُمت کے علماء اور مفسرین نے احکامِ الٰہی میں پوشیدہ حکمت کو بیان کیا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے اپنی مشہور کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حکمت تلاش کرنے کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ اسی طرح مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب ''اسلامی احکام عقل کی روشنی میں'' میں شریعت کے احکامات کی حکمتوں کو بیان کیا۔ مثلاً وضو کے لیے ہاتھ، منہ، پیر دھوئے جاتے ہیں تو اس میں کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ تیمم میں پیروں کے نیچے والے حصہ پر مسح کیوں نہیں کیا جاتا وغیرہ۔

وحی کی تعلیم اور شریعت کے احکام کے لیے لفظ نقل استعمال ہوتا ہے۔ بعض اوقات شرعی احکام عقل کی بنیاد پر سمجھ میں نہیں آتے۔ مثلاً موزے پہن کر جب آپ چلتے ہیں تو وہ نیچے سے گندے ہو سکتے ہیں لیکن فقہی مسئلہ ہے کہ جب آپ مسح کریں تو موزے کے اوپر سے کریں۔ جبکہ عقل کہتی ہے کہ مسح نیچے سے ہونا چاہیے۔ معلوم ہوا کہ دین میں نقل کے مقابلے میں عقل نیچے رہے گی۔ یعنی عقل نقل کے تابع رہے گی۔ انسانی عقل محدود ہے۔ آج دنیا میں اتنی ریسرچ اور ٹیکنالوجی عقل کی بنیاد پر ہے مگر آج کی نسبت 100 سال پہلے انسانی زندگیاں زیادہ محفوظ، زیادہ آسان اور زیادہ پرسکون تھیں۔ جتنا شریعت کو فراموش کیا اتنا ہی انسانی زندگیوں میں اور معاشروں میں بگاڑ آ گیا۔ معلوم ہوا کہ انسانی نقل (شریعت، احکامِ وحی، اسوۂ رسولؐ) میں جو حکمتیں، مقاصد اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں وہ انسانی عقل میں نہیں ہیں۔ آج بعض لوگوں کا خیال ہے:

"We are grown up people today, we don't need any religion."

وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے سمجھدار ہو گئے ہیں، انہیں مذہب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حالت یہ ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے غنڈے، ظالم اور بدمعاش ترقی یافتہ ممالک میں ملیں گے، دنیا کے سب سے بڑے فراڈ ترقی یافتہ ممالک میں ملیں گے۔ گزشتہ 100 سالوں میں کروڑوں انسانوں کے قاتل ترقی یافتہ ممالک میں ملیں گے جو اپنے آپ کو سمجھدار کہتے ہیں۔ یہ کونسی سمجھداری ہے؟

مقاصدِ شریعت

احکامِ شریعت میں جس طرح حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں، اسی طرح ان کے کچھ مقاصد بھی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود اس کے لیے اصول عطا کیے۔ بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ: 185) ''اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ سختی نہیں چاہتا۔''

رمضان میں جب یہ آیت بیان ہوتی ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر سفر میں ہو، بیمار ہو یا جان کو خطرہ ہے تو روزہ چھوڑ دو۔ یہ خود ایک مصلحت ہے کہ اللہ تعالیٰ آسانی عطا فرمانا چاہتا ہے۔ ایک خاتون حاملہ ہے، بچہ پرورش پا رہا ہے، اگر روزہ رکھے گی تو بچے کی صحت اور جان کو بھی خطرہ لاحق ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج: 78) ''اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

اللہ نے آسان دین عطا کیا ہے۔ یہ قابلِ عمل ہے۔ فرمایا:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ: 286) ''اللہ تعالیٰ نہیں ذمہ دار ٹھہرائے گا کسی جان کو مگر اس کی وسعت کے مطابق۔''

معذور ہیں، کھڑے ہو کر نماز نہیں ادا کر سکتے تو بیٹھ کر ادا کر لیں۔ روزہ فرض ہے، لیکن بندہ بیمار یا ایسا بوڑھا ہو گیا کہ اب کھائے پیئے بغیر اس کا گزارا ہی نہیں ہے، وہ فدیہ دے گا، اس کے لیے معافی ہے۔ لیکن اصولی طور پر اللہ نے جو احکام دیئے ہیں ان پر انسان عمل کر سکتا ہے۔ ہم لوگ ناشکری میں کہہ جاتے ہیں کہ پانچ وقت کی نماز تو بڑی مشکل ہے، یہ پردے کا حکم تو بڑا مشکل ہے، سود کے بغیر تو گزارا نہیں ہوتا، معاذ اللہ۔ یہ اللہ کے حکم کے انکار کی طرف ہم جا رہے ہوتے ہیں۔ یہ حماقت کی باتیں ہیں۔ ہاں! البتہ انسان کمزوری کا اعتراف کرے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خود حکمتیں بیان فرمائیں۔ مثال کے طور پر سورۂ طٰہٰ میں فرمایا:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ ''اور نماز قائم رکھو میری یاد کے لیے۔''

یہاں اللہ حکمت بتا رہا ہے۔ انسان دنیا کے کاموں میں لگ کر اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے، دماغ میں خناس بھرنے لگتا ہے، خدائی کا دعوے دار بن جاتا ہے، میرا جسم میری مرضی کے سلوگن اسی وجہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ نماز پڑھ کر اللہ کا حکم تو انسان بجا لاتا ہے لیکن ساتھ اس کا مقصد بھی ہے کہ نماز بندے کو اللہ کے ذکر کی طرف کھینچ لاتی ہے، غفلت سے باہر نکالتی ہے اور بندہ نماز میں کہتا ہے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ ''ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔''

یہاں یاد دہانی ہوتی ہے کہ ہماری اوقات کیا ہے، ہم بندے ہیں، خدا نہ بنیں کہ جو چاہے سو کریں۔ یہ خدا کا اختیار ہے کہ جو چاہے سو کرے:

﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ (البروج) ''وہ جو ارادہ کر لے کر گزرنے والا ہے۔''

بندوں کا کام ہے بندے بن کر رہنا، اللہ کے حکم کے سامنے اپنے آپ کو جھکانا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مرضی کے تابع اپنے آپ کو رکھنا۔ ہر چند گھنٹوں بعد نماز ہمیں یہ حکمت بتاتی ہے۔ روزے کے بارے میں معروف ہے:

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرۃ) ''تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔''

یہاں روزے کی حکمت اور مقصد کا بیان ہے۔ روزہ گناہوں کو، حرام کو چھوڑنے کی تربیت ہے تاکہ تم ہر قسم کی برائی سے بچو اور اپنے باطن کو پاک کرو۔ اسی طرح قرآن کریم میں قصاص کا حکم ہے۔

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ) ''اور اے ہوشمندو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم بچ سکو۔''

آج کراچی سمیت ملک بھر میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری ہے، ایک موبائل کے لیے راہ گیروں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مجرموں کو سزائیں نہیں مل رہیں، 6000 کو پکڑا لیکن ایک کو بھی پھانسی پر نہیں لٹکایا، مجرموں کو کھلی چھوٹ مل گئی۔ جبکہ اللہ کہتا ہے کہ قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم بچ سکو۔ اگر ایک کو لٹکا دیا جائے تو باقی والے عبرت پکڑیں گے۔

قرآن وحدیث میں بیان ہونے والی ان حکمتوں کو مدنظر رکھ کر اسلاف نے بھی حکمتیں تلاش کیں اور پھر ان کو مرتب بھی کیا۔ امام غزالیؒ نے پانچ باتیں بیان کیں:

نمبر 1: دین یعنی عقیدے کی حفاظت

نمبر 2: جان کی حفاظت

نمبر 3: عقل کی حفاظت

نمبر 4: نسل کی حفاظت (نکاح ہو تو انسانی قافلہ، نسل کا قافلہ آگے بڑھے گا)

نمبر 5: مال کی حفاظت۔

عام طور پر ان کو مقاصد الشریعہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت کے جو احکامات عطا فرمائے ہیں ان پر عمل کرنے میں یہ حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ کبھی کسی حکم میں ایک سے زیادہ حکمتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح ابن تیمیہؒ اور امام ابن القیمؒ نے بھی جب مقاصدِ شریعت کو بیان کیا تو بڑی پیاری باتیں لکھیں۔ مثلاً انہوں نے لکھا کہ شریعت کے احکام پر عمل کرنے سے عدل و انصاف قائم ہوتا ہے، اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ ''عدل'' اسلام کا کیچ ورڈ ہے۔ اسی طرح امام ابن عاشورؒ نے بھی شریعت کے مقاصد کو بیان کیا ہے۔ ماضی قریب کے جید علماء نے پانچ بڑے مقاصد شریعہ کے علاوہ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق کچھ نئی حکمتیں اور مقاصد بھی تلاش کیے۔ مثلاً ریاست، قانون، معیشت، عالمی تعلقات، سائنس و ٹیکنالوجی، انسانی حقوق، اقلیتوں کے معاملات، نئے معاشرتی مسائل، کلوننگ وغیرہ میں احکام شریعہ کی تشریح کیا ہوگی اور ان پر عمل کرنے میں کیا حکمتیں پوشیدہ ہوں گی۔ اسی طرح مالیات کا معاملہ ہے، مانیٹری ایشوز ہیں، ہمارے ماضی قریب کے علماء نے اس پر بھی کلام کیا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی تنظیم اسلامی کے بہت معزز رفیق تھے، اللہ اُن کی مغفرت کرے۔ اُن کے خطابات کی ایک بہت عمدہ سیریز محاضرات شریعت کے عنوان سے ہے۔ اس میں ان معاملات پر انہوں نے بڑی تفصیل سے بات کی ہے۔

ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ ہماری عقل سے مصلحت طے نہیں ہوگی، کتاب اور سنت کے واضح دلائل سے مصلحت کا پتا چل جائے گا۔ کتاب وسنت کے احکام پر غور وفکر کرکے دیگر معاملات کی مصلحتیں بھی تلاش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً ترکیہ میں بعض لوگوں نے کہا کہ ظہر کی نماز اوقات کار کے درمیان آتی ہے اس کو نکال دیا جائے تو وقت، پانی اور دیگر وسائل کی بچت ہو جائے گی۔ علماء نے کہا مصلحت کتاب وسنت کے تابع رہ کر تلاش کی جائے گی۔ شریعت سے بغاوت کرکے مصلحتیں اور حکمتیں تلاش نہیں کی جا سکتیں۔ ورنہ معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوگا۔ جیسا کہ آج پردہ، حجاب، حیاء، نکاح کی سنت کو چھوڑا تو ہزار طرح کے مسائل اور برائیوں نے جنم لے لیا۔ سود کی لعنت کو اختیار کیا تو معیشت کا بیڑا غرق ہوگیا۔ مصلحت اور حکمت وہ ہے جو شریعت کے احکام پر عمل سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً نماز پڑھیں گے تو اللہ کا ذکر بھی ہوگا، غفلت سے بندہ نکلے گا، باجماعت نماز پڑھنے سے معاشرے کے لوگوں سے میل جول بھی ہوگا، بھائی چارہ بڑھے گا۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کا موقع ملے گا۔ روزہ رکھیں گے تو تقویٰ پیدا ہوگا، روح بیدار ہوگی، دوسرے کی بھوک کا بھی احساس ہوگا اور معاشرے کے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کا جذبہ پیدا ہوگا۔ زکوٰۃ دیں گے تو مال کی محبت کم ہوگی، آخرت کی رغبت بڑھے گی، مال بھی پاک ہوگا، معاشرے کے غریبوں اور محتاجوں کی مدد بھی ہوجائے گی۔ نتیجہ میں چوری، ڈاکے سمیت کئی برائیوں سے معاشرہ پاک ہو جائے گا۔ حج کے دوران مساوات بھی ہے، اتحاد بھی ہے، تاریخ کا شعور بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی راہ میں اپنے بیٹے کو قربان کرنے کا عزم کیا، بیٹے نے بھی فرمانبرداری کی مثال قائم کی، بی بی ہاجرہؓ نے سعی کے دوران دوڑ لگائی، اللہ کی خاطر گھر بار کو چھوڑا۔

اللہ تعالیٰ نے نکاح کا حکم دیا تو اس میں کتنی مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ تھیں۔ آج نکاح کو چھوڑا تو معاشرے میں کتنا بگاڑ آگیا؟ جاپان، فرانس، جرمنی سمیت کئی ترقی یافتہ ممالک آج پریشان ہیں کہ اپنی نسلوں کو کیسے بچائیں۔ گھر کا تصور ختم ہوگیا، عزتیں پامال ہوگئیں، زنا اور زیادتی کے کیسز بڑھ گئے۔ بوڑھے بزرگ اولڈ ہاؤسز میں سڑنے کے لیے رہ گئے۔ انسانیت تباہ و برباد ہو کر رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کا حکم دیا تاکہ زوجین کے درمیان محبت ہو، وہ اپنا گھر بسائیں، صحت مند نسلیں پیدا ہوں، خاندان بنیں، نسب کی حفاظت ہو اور پھر وراثت کی تقسیم آگے بڑھے، دولت کی منصفانہ تقسیم ہو اور بچوں، عورتوں، کمزوروں، ضعیفوں، غریبوں اور محتاجوں کی کفالت کا سلسلہ بھی چلتا رہے۔ نکاح چھوڑا تو آج جھوٹی محبتوں کا اظہار صرف سوشل میڈیا تک رہ گیا، محبت صرف ہوس پرستی اور نفس پرستی کا نام رہ گیا۔ ہوس پوری ہوئی تو تعلق ختم، پھر خودکشیاں ہوتی ہیں، قتل ہوتے ہیں، زندگیاں برباد ہوتی ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا۔ آج اسی سودی معیشت کی وجہ سے ہم نسل در نسل مقروض ہوگئے، بجٹ کا 43 فیصد صرف سود کی ادائیگی پر خرچ ہو رہا ہے۔ اگر یہی سلسلہ چلتا رہا تو کچھ سالوں تک ہمارے بجٹ کا 90 فیصد سود کی مد میں خرچ ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جوا، سٹہ اور ذخیرہ اندوزی، چوری، لوٹ مار اور دیگر حرام ذرائع سے دولت کمانے سے منع کیا تاکہ دولت چند لوگوں تک مقید ہو کر نہ رہ جائے۔ اسی طرح صدقات وخیرات کی بھی حکمتیں ہیں۔

شریعت کے احکام کو چھوڑا تو آج یہ حالت ہے کہ اشرافیہ کو تمام ٹیکس معاف ہیں، انہیں پٹرول، بجلی، گیس، پانی وغیرہ سمیت سب کچھ مفت میسر ہے جبکہ غریب آدمی پر طرح طرح کے ٹیکس لگائے جا رہے ہیں، ججز کو ریٹائرمنٹ کے بعد بھی کروڑوں روپے کی سہولیات قومی خزانے سے ملتی ہیں لیکن عام آدمی کو زندگی میں کوئی ریلیف نہیں مل رہا۔ اس کے برعکس اللہ کا دین اگر نافذ ہوتا تو یہاں عدل وانصاف ہوتا، ہر آدمی کے حقوق کا تحفظ ہوتا۔ یاد رکھیے اللہ کا دین نعمت کے طور پر ہمیں عطا ہوا وہ زحمت نہیں ہے۔ اللہ کے دین کے نفاذ میں حکمتیں پوشیدہ ہیں اور اس میں انسانوں کو ہی فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اس وقت محض دفاعی معاہدوں سے زیادہ مسلم اتحاد بنانے کی ضرورت ہے تاکہ مسلم ممالک کے درمیان جاری کشیدگیوں کو کم کیا جا سکے۔ اگر آپس میں اکٹھے رہے تو اسرائیل اور امریکہ فائدہ اٹھائیں گے: رضاء الحق

مکہ معظمہ پر ڈرون حملے کی حوثیوں نے تردید کی ہے۔ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ حوثیوں اور سعودی عرب کے مابین صلح کروائی جائے تاکہ اسرائیل کو رخنہ ڈالنے کا موقع نہ مل سکے: ڈاکٹر فرید احمد پراچہ

”مکہ معظمہ پر ڈرون حملہ“

پروگرام ”زمانہ گواہ ہے“ میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: وسیم احمد

سوال: یمن کے حوثیوں کی طرف سے مبینہ طور پر سعودی عرب کے شہر مکہ مکرمہ میں ڈرون اٹیک کیا گیا ہے جسے خوش قسمتی سے انٹرسیپٹ کر لیا گیا اور کسی بھی قسم کا جانی یا مالی نقصان نہیں ہوا۔ اس پر آپ کیا کہیں گے؟

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ: مکہ مکرمہ صرف سعودی عرب کا شہر نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا مقدس شہر ہے۔ مکہ ہمارے دلوں اور روحوں کا شہر ہے، اس لیے اس پر اگر کوئی حملہ کرتا ہے تو وہ پورے عالم اسلام پر حملہ ہے۔ جیسے پہلے ایک بار حرم پر قبضہ ہوا تھا تو دنیا نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان ہر چیز برداشت کر لیتے ہیں مگر حرمین شریفین پر آنچ بھی برداشت نہیں کرتے۔ اب جو حملہ ہوا ہے اس کے بعد بھی پورا عالم اسلام مضطرب ہے۔ حوثیوں نے حملے کی تردید کر دی ہے۔ حالانکہ سعودی عرب اور حوثیوں کی لڑائی جاری ہے، جگہ جگہ ڈرون حملے ہو رہے ہیں، کسی جگہ انہوں نے تردید نہیں کی لیکن یہاں انہوں نے کہا کہ یہ حملہ ہم نے نہیں کیا۔ اس سے ظاہر ہے مسلمان چاہے کسی بھی فرقے کا ہو اور جتنی بھی سعودی عرب سے دشمنی ہو وہ کبھی حرمین شریفین پر حملہ نہیں کر سکتا۔ اسرائیل کی یہ کوشش تھی کہ ایران اور عربوں کے مابین فرقہ وارانہ جنگ چھڑ جائے تو اب اس میں وہ کامیاب ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ ایران امریکہ جنگ کے دوران بھی کئی ڈرون حملے ایسے ہوئے جن کی ایران نے تردید کی۔ اس کا مطلب بھی ہے کہ اسرائیل خود ایسے حملے کر کے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش کر رہا ہے۔ حرمین شریفین کے تحفظ کے حوالے سے پاکستان اور سعودی عرب کا ایک معاہدہ بھی ہے۔ حرمین شریفین کی حفاظت کی جائے گی اور کوئی بھی ایسی مذموم کوشش کامیاب نہیں ہوگی۔ ان شاء اللہ! اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ سعودی عرب اور حوثیوں کے مابین جنگ کو کوشش کر کے روکا جائے تاکہ اسرائیل کو رخنہ ڈالنے کا موقع نہ مل سکے۔

سوال: مکہ مکرمہ پر حملہ پورے عالم اسلام کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔ حملے کا سنتے ہی ہر مسلمان کا دل مکہ مکرمہ کی جانب کھنچ رہا ہے۔ جب حوثیوں کی جانب سے تردید آ گئی تو اس کے بعد ہم کیا سمجھیں کہ یہ حملہ کسی گریٹ گیم کا حصہ تھا؟

رضاء الحق: حرمین شریفین تو مسلمانوں کی ریڈ لائن ہے اور کوئی بھی مسلمان اس کو کراس کرنے کی کوشش نہیں کر سکتا۔ سب کے علم میں ہے حوثیوں کی پشت پناہی ایران کر رہا ہے۔ پہلے بھی جب مکہ مکرمہ پر میزائل حملوں کی خبریں گردش کرتی تھیں تو حوثیوں نے اس وقت بھی تردید کی تھی۔ اگر مکہ پر حملوں کی ان کوششوں کے تانے بانے تلاش کیے جائیں تو

مرتب: محمد رفیق چودھری

وہ جا کر دجال کے لشکر کے ساتھ ملتے ہیں کیونکہ احادیث میں بھی یہ خبریں ہیں کہ حرمین شریفین پر حملے کی کوشش سوائے لشکرِ دجال کے کوئی اور نہیں کرے گا۔ حوثی بھی یہ جانتے ہیں کہ مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ اُلٹا نقصان پہنچے گا کیونکہ پورا عالم اسلام ان کے خلاف ہو جائے گا۔ صرف اسرائیل ہی ایسا دشمن ہے جو چاہتا کہ مسلمان ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں اور اسرائیل کا پشت پناہ امریکہ ہے جس کی فالس فلیگ حملوں کے حوالے سے پوری ایک تاریخ ہے۔ پرل ہاربر کا واقعہ ایک مثال ہے۔ پھر نائن الیون کے بارے میں تو ہر کوئی جانتا ہے کہ ایک فالس فلیگ حملہ تھا۔ انڈیا بھی اسرائیل کا اتحادی ہے اور وہ بھی فالس فلیگ حملے کرتا ہے۔ گلف آف ٹونکن کا واقعہ جس میں امریکہ کا پورا جہاز ڈوب گیا تھا، جب تحقیقات ہوگئیں تو اسرائیل ملوث نکلا اور بعد میں اسرائیل نے تسلیم بھی کیا۔ اب بھی ابلیسی اتحادِ ثلاثہ یہی چاہتا ہے کہ شیعہ سنی فساد شروع ہو جائے اور جو تھوڑی سی اُمید پیدا ہوئی تھی کہ مسلم ممالک بھی آپس میں متحد ہو سکتے ہیں وہ بھی دم توڑ جائے۔ کیونکہ مکہ معاہدہ جس میں پاکستان، ترکیہ اور سعودی عرب شامل ہیں، کوشش نظر آ رہی تھی کہ ایران اور دیگر مسلم ممالک بھی اس میں شامل ہو جائیں۔ یہ اسرائیل کو گوارا نہیں ہے۔ اسرائیلی ذرائع کے مطابق محمد بن سلمان نے ٹرمپ کو مدد کے لیے فون کیا تو ٹرمپ نے مدد کو ابراہم اکارڈز سے مشروط کر دیا۔ وقت کا تقاضا یہی ہے کہ مسلم ممالک مل کر سعودی عرب اور حوثیوں کی صلح کروائیں اور ایران بھی اس میں اپنا کردار ادا کرے اور سب مل کر مشترکہ دشمن کے خلاف مزاحمت کریں۔ جس طرح حرمین شریفین ہمارے لیے محترم ہیں اسی طرح مسجد اقصیٰ بھی ہمارے لیے محترم ہے، اس کی حفاظت بھی تمام مسلم ممالک کی ذمہ داری ہے۔

سوال: نائن الیون کے واقعہ کو 25 سال ہو گئے۔ نائن الیون کے بعد دہشت گردی کے خلاف جو جنگ شروع ہوئی تھی، آپ کے خیال میں وہ دہشت گردی کے خلاف تھی یا مسلم دنیا کی جغرافیائی، سیاسی اور معاشی تشکیل نو کا منصوبہ تھا؟

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ: سرد جنگ کے خاتمے کے بعد جب دنیا یونی پولر ہو گئی اور امریکہ نے نیو ورلڈ آرڈر کا اعلان کر دیا تو اس کے بعد سے ہی مسلم دنیا کے خلاف جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ کہا گیا تھا کہ پہلے دنیا کو سرخ خطرہ تھا اب دنیا کو سبز خطرہ ہے۔ اس سے قبل رچرڈ نکسن کی طرف سے اعلان ہو گیا تھا کہ جہادی اسلام اور پولیٹیکل اسلام دنیا کے لیے خطرہ ہیں۔ ہنٹنگٹن کی کتاب ”دی کلیش آف سولائزیشن“ منظر عام پر آ گئی جس میں اسلامی تہذیب کو مغربی تہذیب سے متصادم قرار دیا گیا۔ پھر فوکو یامہ کی کتاب ”دی اینڈ آف ہسٹری“ آ گئی جس میں مغربی تہذیب کو حتمی تہذیب قرار دیا گیا کہ اب اس کے علاوہ کوئی اور تہذیب دنیا میں گوارا نہیں۔ یہ سارا سلسلہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کا اعلان تھا مگر اس وقت مسلم ممالک نے، دینی حلقوں نے کوئی تیاری نہیں کی، نہ آپس میں منظم اور متحد ہونے

کی ضرورت کو محسوس کیا۔ نائن الیون کے واقعہ پر دنیا میں 210 کتابیں لکھی گئیں، کئی ڈاکومنٹریز بنیں اور سب کا نچوڑ یہی تھا کہ یہ ایک ڈراما تھا، پہلے سے منصوبے کے ساتھ باقاعدہ نزدیک اور دور کے کیمرے لگا کر پورا سین فلمایا گیا تھا۔ اس دن ٹوئن ٹاورز میں یہودیوں کی تمام دوکانیں اور دفاتر بند تھے۔ جہاز ٹکرانے سے عمارت کا ایک حصہ تباہ ہوتا ہے، پوری عمارت پگھل کر نہیں گر جاتی۔ پھر جہاز ٹکرانے سے پہلے ہی عمارت میں دھماکے ہوتے ہوئے ڈاکومنٹریز میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ واقعہ کے فوراً بعد اسرائیلی وزیراعظم نے اعلان کر دیا کہ یہ القاعدہ کی کارروائی ہے۔ یہ سوالیہ نشان ہے کہ چند منٹ کے اندر کیسے تحقیقات ہو گئیں کہ واقعہ القاعدہ ہی ملوث ہے؟ پھر اس پورے واقعہ پر کوئی عدالتی کمیشن نہیں بنا، حالانکہ امریکہ جیسی ریاست میں جہاں انصاف اور قانون کی بالادستی کے دعوے کیے جاتے ہیں اور جہاں ٹیکنالوجی بے پناہ ہے ایسے جہازوں کا اُڑتے رہنا اور پھر عمارتوں سے ٹکرا جانا ممکن ہی نہیں ہے۔ اتنے بڑے فیلیئر پر کسی بھی ذمہ دار کو سزا نہیں ہوئی۔ 25 سالوں میں ان سوالوں کے جوابات سامنے نہیں آ سکے۔ صرف مسلمانوں کو ٹارگٹ بنانے کے لیے دونوں بڑی پارٹیوں کی مشترکہ رپورٹ میں یہ کہہ دیا گیا کہ یہ اسلامی دہشت گردی ہے۔ اس کے بعد دنیا میں لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ صدر بش نے اعلان کیا صلیبی جنگیں شروع ہو گئی ہیں۔ حالانکہ افغانستان کا کوئی فرد نائن الیون کے واقعہ میں ملوث نہیں تھا لیکن 40 ممالک نے متحد ہو کر افغانستان کو تباہ کر دیا گیا۔ اسی طرح ویپن آف ماس ڈسٹرکشن کا جھوٹا افسانہ گھڑ کر عراق میں لاکھوں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا، جن میں 5 لاکھ بچے بھی شامل تھے۔ بعد میں معافی بھی مانگ لی گئی کہ WMD ایک جھوٹ تھا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلم ممالک نے اس کے باوجود بھی کوئی سبق حاصل نہیں کیا اور اس کے باوجود بھی امریکہ پر بھروسا کرتے رہے۔ حالانکہ واضح تھا کہ یہ جنگ مسلمانوں کے خلاف ہے اور اسی وجہ سے وہ نبی اکرم ﷺ کے توہین آمیز خاکے بھی شائع کرتے رہے۔

سوال: نائن الیون سے لے کر آج تک دہشت گردی کے خلاف جنگ میں لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ امریکہ سمیت عالمی طاقتیں بھی اتنے بڑے انسانی نقصان پر نادم ہوں گی یا کوئی ذمہ داری قبول کرے گا؟

رضاء الحق: نائن الیون سے ٹھیک 2 ماہ پہلے ایونجلسٹس کے میگزین دی فلاڈلفیا ٹرمپٹ کے ایڈیٹر جیرڈ فلوری نے اداریے میں یہ الفاظ لکھے تھے:

"Most people think the crusades are a thing of the past over forever. But they are wrong. Preperations are being made for a final crusade and it will be the bloodiest of all!"

اگر کوئی آزاد تحقیقاتی کمیشن قائم ہوتا تو وہ سوال اُٹھاتا تا کہ واقعہ سے دو ماہ پہلے جیرڈ فلوری کو کیسے پتہ چل گیا یہ ہونے والا ہے؟ بہرحال مسلمانوں کا قتل عام تو پہلی جنگ عظیم سے ہی شروع ہو گیا تھا، وہ جنگ بھی خاص طور پر خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے لیے تھی، اسی دوران 1917ء میں بالفور ڈیکلیریشن پیش ہوا جس میں اسرائیلی ریاست کے قیام کا اعلان کیا گیا، اس کے بعد سے مسلمانوں کا مسلسل قتل عام ہو رہا ہے۔ نائن الیون تو ایک بہانہ تھا اور ابھی ٹاورز مکمل طور پر گرے بھی نہیں تھے کہ عالمی میڈیا نے وار آن ٹیرر کا بیانیہ شروع کر دیا تھا۔ "وار آن ٹیرر" کے نام پر مسلمانوں کے خلاف جنگ کا آغاز افغانستان سے کیا گیا اور بدقسمتی سے پاکستان بیس کیمپ بنا۔ ہم نے 30 ارب ڈالر امریکہ سے لیے اور بدلے میں 90 ہزار مسلمانوں کو شہید کروایا اور تقریباً ڈیڑھ سو ارب ڈالر کا نقصان بھی اُٹھایا۔ پھر اس پرائی جنگ کی وجہ سے ہم نے اپنوں کو ہی ناراض کر لیا۔ بھارت کو بھی موقع مل گیا اور اس نے افغانستان میں 18 قونصل خانے کھول کر پاکستان میں دہشت گردی شروع کر دی اور آج بھی بلوچستان اور کے پی کے میں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے۔ وار آن ٹیرر کے نام پر پوری دنیا میں ایک ملین کے قریب مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔ عراق پر اقوام متحدہ کی مخالفت کے باوجود حملہ کر دیا۔ اس سے پہلے عراق کویت جنگ کے دوران جب امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تھا اور لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا تھا اور معاشی پابندیوں کی وجہ سے لاکھوں بچوں اور بڑوں کی زندگیاں خطرے میں تھیں تو اس دوران امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ میڈلن البرائٹ سے کسی صحافی نے پوچھا کہ امریکی پابندیوں کی وجہ سے 6 لاکھ بچوں کی زندگیاں خطرے میں ہیں، ان تک ادویات نہیں پہنچ رہیں، کیا یہ سب قابل قبول ہے؟ اس نے ایک سیکنڈ کا توقف کیے بغیر جواب دیا۔ بالکل یہ قابل قبول ہے۔ یعنی 6 لاکھ مسلمان بچوں کی زندگیاں امریکیوں کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ پھر عرب سپرنگ کے نام سے جو سلسلہ شروع کیا گیا اس کی وجہ سے لیبیا، شام، مصر، لبنان اور عرب ممالک میں لاکھوں مسلمان شہید کیے گئے۔ مصر میں اخوان المسلمون کی جمہوریت بھی انہیں قبول نہیں ہوئی اور فوجی بغاوت کے ذریعے لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔ حالیہ برسوں میں غزہ، لبنان اور ایران پر حملے کر کے لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔ اتنے بڑے پیمانے پر مسلمانوں کے قتل عام پر بھی نہیں کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوتی۔ افغانستان سے انخلاء کے بعد جب امریکی سینٹ کمیٹی میں امریکی ڈیفنس چیف لائڈ آسٹن تھرڈ سمیت جرنیلوں سے سوالات کیے گئے تو امریکی نقصان کے بارے میں تو پوچھا گیا لیکن ایک ملین مسلمان جو اس جنگ میں شہید ہوئے ان کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔ گویا کہ ایک ملین مسلمانوں کی جانوں کی ان کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اسی طرح اسرائیلی اپوزیشن لیڈر نفتالی بینٹ نے 2014ء میں کہا تھا کہ میں نے فلسطینیوں کو قتل کیا اور مجھے اس پر فخر ہے۔ اس کے باوجود ہمارے مسلم ممالک ان سے توقع کرتے ہیں کہ وہ ان کی مدد کریں گے۔

سوال: نائن الیون کے بعد ان 25 سالوں میں مسلم دنیا نے کیا سبق سیکھا اور عالمی طاقتوں کے مقابلے میں کوئی مشترکہ سیاسی و دفاعی پالیسی اپنانے کی سوچ پیدا ہوئی؟ آپ کے خیال میں مسلمانوں کی حکمت عملی کیا ہونی چاہیے؟

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ: یہ المیہ ہے کہ مسلم دنیا ان 25 سالوں میں بھی منظم نہیں ہو سکی۔ حالانکہ 57 مسلم ممالک ہیں، تیل کی دولت ان کے پاس ہے، بہترین افواج ہیں، ہر طرح کے وسائل موجود ہیں۔ اگر یہ آپس میں تجارتی معاہدے کریں تو انہیں عالمی طاقتوں پر انحصار کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اس وقت امریکی اسلحے کا سب سے بڑا خریدار سعودی عرب ہے۔ ہم غیروں کی منڈی بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہی اسلحہ مسلم ممالک سے خریدا جا سکتا ہے۔ ایران میں سخت پابندیوں کے باوجود روزانہ 300 ڈرون بن رہے ہیں۔ امریکہ اور اسرائیل نے ایران کی فضائیہ نہیں بننے دی تو اس نے متبادل کے طور پر ڈرون ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کر لی۔ یہی ٹیکنالوجی مسلم ممالک آپس میں شیئر کر سکتے ہیں۔ اسی طرح پاکستان نے جوہری اسلحہ کی تیاری میں مہارت حاصل کر لی ہے۔ ملائشیا اور انڈونیشیا نے بھی کئی چیزوں خصوصاً معیشت میں ترقی کی ہے۔ یہ سب مہارتیں عالم اسلام کی متاع بے بہا بن سکتی ہیں۔ آپس میں انٹیلی جنس شیئرنگ کر سکتے ہیں۔ مسلم ممالک سے ماضی میں اس حوالے سے بہت سی کوتاہیاں ہو چکی ہیں لیکن ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ اب تو امریکہ اور اسرائیل بھی کھل کر سامنے آ گئے ہیں کہ کس طرح وہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لیے فالس فلیگ حملے کر رہے ہیں۔ تیل کے ذخائر ایران میں تباہ ہوں یا عرب ممالک میں تباہ ہوں وہ عالم اسلام کا ہی نقصان ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہمارے فیصلے کون کروا رہا ہے۔ کیا ہم اپنے فیصلے خود نہیں کر سکتے؟ اگر اب بھی ہمارے دلوں میں احساس زیاں پیدا ہو جائے تو ہم

یہ ساری چیزیں سوچنے کے لیے مل کر بیٹھ سکتے ہیں۔

سوال: یمن اور سعودی عرب کے تنازع کی اصل وجوہات کیا ہیں؟ اور کیا یہ لڑائی بھی عالمی طاقتوں کی گریٹ گیم کا حصہ ہے؟

رضاء الحق: یمن اور سعودی عرب کا تنازع اسی گریٹ گیم کا حصہ ہے جس کے تحت خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کیا گیا اور پھر مسلمانوں کو آپس میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس تقسیم کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے صیہونی آبادکاری فلسطین میں شروع ہوئی اور پھر اسرائیل قائم ہو گیا جواب گریٹر اسرائیل منصوبے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس دوران انہوں نے بہت سے مسلم ممالک پر براہ راست حملے کرکے انہیں تباہ کیا اور کچھ ممالک کے اندر انتشار پیدا کر کے انہیں تباہ کیا۔ کچھ مسلم ممالک کو ابراہم اکارڈز کے نام پر ساتھ ملا لیا گیا۔ اب سعودی عرب کو بھی ابراہم اکارڈز میں لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس کے لیے شیعہ سنی تفرقہ پھیلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ امریکہ نے ایران کا ہوا کھڑا کر کے عرب ممالک میں اپنے اڈے قائم کر لیے۔ حالانکہ ان کے لیے اصل خطرہ اسرائیل ہے مگر انہوں نے ایران کو خطرہ سمجھ کر امریکہ اور اسرائیل کی طرف جھکاؤ کیا۔ یمن میں بھی ایرانی اور سعودی پراکسیز کی لڑائی شروع کروائی گئی۔ چین کی کوششوں سے ایران اور سعودی عرب کے درمیان کشیدگی کچھ کم ہوئی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوئے تھے جو کہ اسرائیلی ایجنڈے کے خلاف تھا لہٰذا انہوں نے دوبارہ یمن میں تنازع کھڑا کر کے کشیدگی کو ہوا دی۔ یہ گریٹ گیم جتنا جلدی مسلمانوں کی سمجھ میں آجائے اتنا ہی ان کا فائدہ ہے۔

سوال: یمن کی جنگ میں اصل متحارب قوت کونسی ہے جو سعودی عرب کے خلاف لڑ رہی ہے اور مکہ معاہدہ میں شامل تمام مسلم ممالک کو للکار رہی ہے؟

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ: ایران نے حوثیوں کی مدد کی، انہیں اسلحہ بھی دیا، ٹریننگ بھی دی، پیسہ بھی دیا لیکن اس وقت صورتحال یہ ہے کہ حوثی خود کفیل ہو چکے ہیں۔ اس وقت وہ ایران کے کنٹرول میں بھی نہیں ہیں۔ وہ اپنے فیصلے خود کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے پاس بیلسٹک میزائل، کروز میزائل اور ہر طرح کے ڈرونز بھی آ گئے ہیں۔ اینٹی شپ ویپنز ان کے پاس موجود ہیں۔ اب وہ باقاعدہ گریٹ گیم کا حصہ بن چکے ہیں۔

سوال: حوثیوں کے سعودی عرب پر حملوں کے جواب میں مکہ دفاعی معاہدہ میں شامل مسلم ممالک کے لیے کیا آپشنز موجود ہیں۔ پاکستان کو خاص طور پر اس حوالے سے کیا رول ادا کرنا چاہیے؟

رضاء الحق: پاکستان کو براہ راست یمن میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ مکہ پر ڈرون حملے کی حوثیوں نے تردید بھی کر دی ہے۔ غالب امکان یہی ہے کہ یہ ڈرون حملہ اسرائیل کی سازش ہو سکتی ہے۔ وہ پہلے بھی ایسی حرکتیں کرتا رہا ہے۔ نتن یاہو نے متحدہ عرب امارات کے دورے کے دوران خود کہا تھا کہ وہ ایران پر حملوں کے لیے UAE کو استعمال کرتا رہا ہے۔ عالمی میڈیا نے بھی رپورٹ کیا تھا کہ عرب ممالک میں موجود امریکی اڈوں کو اسرائیل، عرب ممالک کے خلاف ہی استعمال کرتا رہا ہے اور الزام ایران پر لگایا گیا۔ مکہ دفاعی معاہدہ میں شامل مسلم ممالک یقیناً ان حقائق سے واقف ہوں گے۔ اس وقت دفاعی معاہدوں سے آگے بڑھ کر مشترکہ اتحاد بنانے کی ضرورت ہے تاکہ مسلم ممالک کے درمیان اختلافات اور کشیدگیوں کو کم کیا جا سکے۔ چین اور روس کو بھی معاہدوں میں شامل کرنا چاہیے۔ سب مل کر امن کے قیام کی کوشش کریں، اس میں ان سب کا فائدہ بھی ہے۔ بصورت دیگر اگر ہم آپس میں جنگ میں اُلجھتے رہے تو پھر اسرائیل اور امریکہ کے مقاصد پورے ہو جائیں گے۔

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ: سعودی عرب بھی فوری طور پر یہ نہیں چاہتا کہ جنگ بڑھے بلکہ وہ بھی چاہتا ہے امن قائم ہو۔ مکہ معاہدہ میں شامل ممالک کو جنگ میں کودنے کی بجائے مرحلہ وار مذاکرات کے ذریعے امن کے قیام کی کوشش کرنی چاہیے۔ پاکستان اور ترکی خاص طور پر اس حوالے سے کردار ادا کر سکتے ہیں۔

سوال: مرحلہ وار سے کیا مراد ہے؟

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ: پاکستان نے جس طرح امریکہ ایران جنگ کو رکوانے کے لیے مرحلہ وار مذاکرات کرانے میں کردار ادا کیا ہے، اسی طرح حوثیوں سے بھی مذاکرات کیے جا سکتے ہیں، ایران بھی اس میں مدد کر سکتا ہے۔ پاکستان انٹیلی جنس اور سکیورٹی کے معاملات میں بھی سعودی عرب کی مدد کر سکتا ہے۔ یعنی جنگ میں براہ راست ملوث ہونے سے کم کے تمام آپشنز اور مراحل پر غور کیا جا سکتا ہے۔

سوال: کیا مسئلہ فلسطین حل کیے بغیر عالم عرب میں امن ممکن ہے؟

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ: صرف عالم عرب میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ مسئلہ فلسطین حل نہیں ہوگا۔ اسرائیل نے غزہ میں جس دہشت گردی کا مظاہرہ کیا اس کے خلاف پوری دنیا اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اب ساری دنیا کو پتا چل چکا ہے کہ اسرائیل فلسطین پر ناجائز قبضہ کر رہا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا انسانی حقوق کا مسئلہ ہے۔ فلسطینیوں کے حق میں اب یونیورسٹیوں میں بھی آوازیں اُٹھ رہی ہیں، کھیل کے میدانوں میں اُٹھ رہی ہیں، ہر شہر اور ہر ملک میں فلسطین کی آزادی کے نعرے لگ رہے ہیں، خود امریکہ کے اندر لگ رہے ہیں۔ اس لیے اس معاملے کو سلجھائے بغیر دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف عالم اسلام کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری دنیا کے امن کے لیے خطرہ ہے۔

سوال: ہر گزرتے دن کے ساتھ مشرق وسطیٰ کی صورتحال تبدیل ہو رہی ہے، ایران امریکہ جنگ کے دوران آبنائے ہرمز بند ہو گیا، اب حوثیوں نے اگر باب المندب کو بھی بند کر دیا تو تیل اور گیس کی سپلائی دنیا کو کیسے ہوگی؟ پاکستان سمیت ترقی پذیر ممالک کی اکانومی کا کیا حشر ہوگا؟ اس مسئلے کا حل کیا ہے؟

رضاء الحق: صرف ترقی پذیر ہی نہیں ترقی یافتہ ممالک بھی متاثر ہوں گے۔ یورپ تو پہلے ہی روس یوکرائن جنگ کی وجہ سے بہت متاثر ہے۔ گزشتہ سردیوں میں وہاں گیس نہیں مل رہی تھی۔ ترقی پذیر ممالک اگر سیاسی اور معاشی خودمختاری کی پالیسی اختیار کریں، ورلڈ بینک، IMF اور امریکہ وغیرہ سے قرضے نہ لیں تو ان کی معیشت ترقی کر سکتی ہے۔ جن ممالک کے پاس اپنا تیل اور گیس ہے وہ تو پھر بھی کچھ عرصہ گزارلیں جائیں گے لیکن پاکستان جیسے ممالک جن کے پاس نہ تیل ہے اور نہ ایکسپورٹ ہے، صرف سودی قرضوں پر ان کی معیشت چل رہی ہے وہ مزید سودی قرضوں میں ڈوب جائیں گے، ایک اندازے کے مطابق پاکستان کا 90 فیصد بجٹ سودکی ادائیگی پر خرچ ہوگا کیونکہ انڈسٹری بند اور معیشت کو چلانے کے لیے مزید قرضے لینے پڑیں گے۔ پاکستان کے پاس بہت سی معدنیات ہیں جن کو خود ایکسپورٹ کر کے پاکستان زرمبادلہ کما سکتا ہے، پاکستان اپنی پالیسی کا رُخ تبدیل کرتے ہوئے روس، چین، ایران، عرب ممالک، وسط ایشیائی ممالک سے تجارت کر سکتا ہے۔ بصورت دیگر تیل کی قیمتوں کے ساتھ ساتھ مہنگائی بہت بڑھے گی۔ اسرائیل خطے میں امن نہیں چاہتا۔ امریکہ 2.8 بلین ڈالر کا مزید اسلحہ اسرائیل کو دے رہا ہے۔ امریکہ کبھی اسرائیل کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ حل یہی ہے کہ پاکستان سمیت تمام مسلم ممالک مل کر خطے میں امن کے قیام کے لیے کوشش کریں ورنہ سب مشکل میں پڑ جائیں گے۔ مسلم ممالک کے پاس ہر قسم کے وسائل موجود ہیں، یہ ایک مربوط پالیسی اپنا کر مشکل صورتحال کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ❁❁❁

پروگرام کے شرکاء کا تعارف

1۔ رضاء الحق: مرکزی ناظم نشرواشاعت وترجمان تنظیم اسلامی پاکستان

2۔ ڈاکٹر فرید احمد پراچہ: مشیر خصوصی امیر جماعت اسلامی پاکستان

میزبان: وسیم احمد باجوہ: نائب ناظم مرکزی شعبہ نشرواشاعت تنظیم اسلامی پاکستان

ختم نبوت کے دو مفہوم

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ختم نبوت کے یہ دو مفہوم کیا ہیں اس کو آپ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ ہماری اپنی زبان اردو میں بھی ختم کے دو مفہوم ہیں۔ مثلاً ''پیسے ختم ہو گئے'' یعنی پہلے پیسے تھے اب نہیں رہے۔ کسی شے کا پہلے وجود تھا اب نہیں ہے۔ یا پنجابی میں کوئی کہے کہ ''دانے مک گئے'' یعنی پہلے گندم یا کوئی اور جنس تھی اب نہیں ہے۔ یہ ختم نبوت کا ایک مفہوم ہے کہ وہ نبوت جو حضرت آدم ؑ سے چلی آ رہی تھی (اس لیے کہ پہلے نبی حضرت آدمؑ تھے) وہ ختم ہو گئی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں۔ لیکن ختم کا ایک دوسرا مفہوم بھی ہے۔ آپ کو معلوم ہے سکول کا طالب علم کہتا ہے: ''میں نے اپنا ہوم ورک ختم کر لیا''۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنا کام مکمل کر لیا' پورا کر لیا۔ ختم کا یہ دوسرا مفہوم ہے جس کی رو سے نبوت اور رسالت حضور ﷺ پر کامل ہوئی۔

ذرا نوٹ کیجیے' پہلا مفہوم اپنی جگہ پر ایک واقعہ ہے' حقیقت ہے' لیکن اس میں فضیلت کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ایک زنجیر چلی آ رہی تھی' آتے آتے ختم ہو گئی' تو اس کی آخری کڑی میں فضیلت کا کیا مفہوم ہوا؟ اس اعتبار سے حضور ﷺ کی عظمت کا کوئی پہلو سامنے نہیں آتا۔ بلکہ آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ نبوت رحمت ہے' نبوت تو نوعِ انسانی کی ہدایت کا ایک سلسلہ تھا۔ چنانچہ جہاں سے وہ شروع ہوئی اس کی فضیلت زیادہ ہونی چاہیے بنسبت اس کے کہ جہاں آ کر وہ ختم ہو گئی۔ اس اعتبار سے حضور ﷺ کی عظمت کا کوئی انکشاف نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ کی عظمت اور فضیلت کا پہلو تو اس اعتبار سے ہے کہ نبوت آپؐ پر کامل ہو گئی' رسالت کی آپؐ پر تکمیل ہو گئی۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں قرآن مجید اور حدیث شریف میں حضور ﷺ کے ضمن میں خاص طور پر تکمیل' اکمال' اتمام اور تمیم جیسے الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ ''آج کے دن ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا''۔ ﴿وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ﴾ ''اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا''۔ ﴿وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ﴾ (المائدۃ:3) ''اور اب (قیامت تک کے لیے) اسلام کو تمہارے لیے بطور دین پسند کر لیا''۔ اسی طرح قرآن حکیم میں دو مرتبہ یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸﴾ (الصف) ''اللہ اپنے نور کا اتمام فرما کر رہے گا چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو''۔ اور ﴿وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲﴾ (التوبۃ) ''اللہ کو ہرگز یہ منظور نہیں مگر یہ کہ وہ اپنے نور کا اتمام فرما کر رہے گا' چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو''۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے: ((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ)) ''مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں اخلاق کے جو بلند مقامات ہیں ان کا اتمام کر دوں''۔ تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ اکمال' تکمیل' اتمام اور تتمیم' یہ الفاظ کثرت کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپؐ کی بعثت کے ضمن میں آ رہے ہیں۔ آنحضور ﷺ کی اصل فضیلت اسی اعتبار سے ہے اور آپؐ کی نبوت کی عظمت کا انکشاف اسی پہلو سے ہوتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ ایسا نہیں ہے کہ ایک فصیل جس کی اونچائی برابر تھی چلی آ رہی تھی اور ایک جگہ آ کر ختم ہو گئی۔ یہ ختم نبوت کا پہلا مفہوم ہے۔ دوسرا معاملہ یہ ہے کہ ایک چیز تدریجاً ترقی کرتے کرتے اپنے نقطۂ عروج کو پہنچی اور ختم ہو گئی۔ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ختم نبوت کا جو پہلا مفہوم ہے اس کی قانونی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس لیے کہ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد اگر کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ کذاب' دجال' جھوٹا اور کافر ہے' اور جس کسی نے بھی اس کی تصدیق کی' اس کو مان لیا وہ بھی دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد شمار ہو گا۔ یہ اس کی قانونی اہمیت ہے۔ کوئی شخص مسلمان رہا یا نہیں رہا' یہ تو بڑا اہم مسئلہ ہے جس کی حیثیت قانونی ہے۔ اگر کسی نے حضور ﷺ کے بعد کسی نبی کی نبوت کا اقرار کر لیا یا خود اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تو وہ مرتد ہے' واجب القتل ہے' اس کی بیوی کا اس سے نکاح ختم ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ختم نبوت کے اس مفہوم پر علماء کرام نے بڑی تفصیل سے گفتگوئیں اور تقاریر کیں' خطبات دیئے اور تصانیف تحریر کیں۔ اس موضوع پر مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ کی کتاب میرے نزدیک حرفِ آخر ہے' جس پر کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔

ختم نبوت کا دوسرا مفہوم کہ حضور ﷺ پر نبوت اور رسالت کی تکمیل ہوئی ہے' چونکہ اس کی کوئی قانونی اہمیت نہیں تھی لہٰذا اس پر کماحقہ توجہ نہیں ہوئی۔ اس پہلو کو نمایاں کرنا درحقیقت اصل موضوع ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ علماء کرام کی تقاریر میں ختم نبوت پر گفتگو ہوتی ہے تو قرآن مجید کی یہی ایک آیت پیش کی جاتی ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ﴾ (الاحزاب:40) ''(اے مسلمانو! حضرت) محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں' مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کی مہر ہیں''۔ حضرت زید بن حارثہؓ کو اگر حضور ﷺ نے منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا تو واضح کیا جا رہا ہے کہ منہ بولا بیٹا کوئی حقیقت نہیں رکھتا' ورنہ آپؐ کسی مرد کے والد نہیں ہیں ----- آپ کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں بیٹے دیئے بھی لیکن وہ جلد ہی فوت ہو گئے۔ آپ ﷺ کی عمر کے آخری دور میں بھی حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے حضرت ابراہیم کی ولادت ہوئی' وہ بھی بچپن ہی میں فوت ہو گئے لیکن آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کی مہر ہیں۔ یعنی مہر لگ گئی اور یہ راستہ بند ہو گیا۔ یہاں سے اب کسی اور نبوت کے اجرا کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

غور کیجیے کہ یہ آیت کس سیاق و سباق میں آئی ہے۔ عرب میں ہمیشہ سے ایک رواج چلا آ رہا تھا اور یہ ان کی تہذیب وثقافت کا جزو لازم تھا کہ کسی کا اگر منہ بولا بیٹا ہے اور اس کا انتقال ہو گیا یا اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو منہ بولے بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ بیوی سے وہ شخص کبھی نکاح نہیں کر سکتا۔ وہ گویا حرام مطلق ہے۔ شریعت میں یہ حکم نہیں ہے۔ شریعت میں صلبی بیٹے کی بیوی حرام مطلق ہے۔ وہ بیوہ ہو جائے یا مطلقہ ہو جائے تو باپ اس سے شادی نہیں کر سکتا۔ وہ محرمات ابدیہ میں سے ہے' لیکن

منہ بولے بیٹے کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ اس رسم کو توڑنے کے لیے اگر خود حضور ﷺ اس پر عمل نہ کرتے تو کسی طرح بھی یہ صورت ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت زینبؓ کو جب زید بن حارثہؓ نے طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کا حضور ﷺ کے ساتھ آسمان پر نکاح کر دیا۔ زمین پر یہ نکاح بعد میں ہوا ہے ---- یہاں فرمایا کہ اب اگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ یہ کام (یعنی اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح) نہ کرتے تو اس غلط رسم کی اصلاح کی کوئی شکل نہ ہوتی اس لیے کہ آپؐ کے بعد تو کوئی نبی آنے والا ہے نہیں۔ چنانچہ ختم نبوت کا جو قانونی مفہوم ہے اس کے اعتبار سے یہ متعلقہ آیت ہے' اس میں کوئی شک نہیں' لیکن میں نے جو دوسری آیات تلاوت کی ہیں' وہ ختم نبوت کے دوسرے مفہوم کے اعتبار سے اہم ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی فضیلت اور آپؐ کی عظمت والا مفہوم کہ آپؐ پر رسالت اور نبوت کی تکمیل ہوئی ہے۔ ان آیات پر گفتگو بعد میں ہوگی۔ پہلے میں چاہتا ہوں کہ ختم نبوت کے جو دو مفاہیم میں نے بیان کیے ہیں' ان کے اعتبار سے ہم بعض احادیث نبویہؐ کا مطالعہ کر لیں۔

(۱) جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ)) ''میری اُمت میں تیس افراد ایسے اُٹھیں گے جو کذاب (انتہائی جھوٹے) ہوں گے' ان میں سے ہر شخص اپنے بارے میں یہ گمان کرتا ہوگا کہ وہ نبی ہے' حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں' اب میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''

اس حدیث میں اس قانونی مفہوم کو بہت ہی عمدگی کے ساتھ واضح کر دیا گیا کہ اگرچہ دجال اُٹھیں گے' نبوت کے جھوٹے مدعی پیدا ہوں گے' لیکن میں آخری نبی ہوں۔ حضور ﷺ کے اپنے زمانے میں مدعیان نبوت اُٹھ گئے تھے' پھر اس دور میں تو ان کی رفتار بڑی تیز ہو گئی ہے' آخری زمانہ آ رہا ہے' تیس کی تعداد اب پوری ہوئی ہے۔ بہاء اللہ ایران میں اٹھا' غلام احمد قادیانی ہندوستان میں اٹھا' ابھی آپ کے ہاں ایک یوسف کذاب سامنے آیا تھا جس کو ایک شخص نے ساہیوال جیل میں گولی ماردی ہے' وہ بھی کہتا تھا کہ میں محمد ہوں' معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ...... پچھلے دنوں خبر آئی تھی کہ ملتان میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے۔ وہ گرفتار کیا گیا ہے اور اس پر مقدمہ چل رہا ہے۔ یہاں حضور ﷺ نے فرما دیا کہ میری اُمت میں تیس افراد ایسے ہوں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے مگر وہ جھوٹے ہوں گے' حقیقت یہ ہے کہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(۲) بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تیس کے قریب ایسے افراد نہ اٹھا دیے جائیں جو دجال ہوں گے' کذاب ہوں گے' ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔'' (متفق علیہ)

(۳) حضرت ابوہریرہؓ ہی سے مروی اس مفہوم کی حدیث سنن ابی داؤد میں بایں الفاظ آئی ہے:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ ثَلَاثُوْنَ دَجَّالُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ)) ''قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تیس دجال ظاہر نہ ہو جائیں' جن میں ہر شخص یہ کہے گا اور سمجھے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔''

یہ تین حدیثیں ختم نبوت کا قانونی مفہوم دوٹوک انداز میں بیان کر رہی ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

ایک اور حدیث ملاحظہ کیجیے۔ اس میں تکمیل نبوت کا تصور آ رہا ہے' یہ بڑی پیاری حدیث ہے۔ یہ حدیث بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اور اس کی سند بہت قوی ہے۔ یہ متفق علیہ حدیث ہے' یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

''یقیناً میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ایک عالیشان عمارت تعمیر کی' اس نے اس عمارت کو بہت عمدہ اور خوبصورت بنایا' سوائے اس کے کہ اس کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ پھر لوگ آ کر اس عمارت کے چکر لگانے لگے اور (اس کی خوبصورتی اور عظمت شان پر) تعجب کا اظہار کرنے لگے۔ اور لوگ کہتے: بھلا یہ اینٹ کیوں نہ لگائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔''

مسلم کی ایک روایت میں الفاظ آئے ہیں:

((فَاَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ جِئْتُ فَخَتَمْتُ الْاَنْبِيَاءَ)) ''پس اس اینٹ کی جگہ (مکمل کرنے والا) میں ہوں' میں آیا تو میں نے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا۔''

ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:

((خُتِمَ بِيَ الْبُنْيَانُ وَخُتِمَ بِيَ الرُّسُلُ)) ''میرے ذریعے سے اس عمارت (قصر رسالت) کی تکمیل ہو گئی اور مجھ پر رسولوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔''

اب یہاں محل اور محل میں ایک کمی اور اس کمی کا آپ ﷺ کے ذریعے پورا ہو جانا' یہ ہے تکمیل نبوت و رسالت کا معاملہ۔

ختم نبوت کے قانونی تقاضے

ختم نبوت کا یہ پہلو کہ جس شخص نے بھی حضور ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا ہے یا کرے گا وہ کذاب' دجال' جھوٹا' کافر' مرتد اور واجب القتل ہے' یہ اس کا قانونی تقاضا ہے۔ چنانچہ عالم اسلام میں اس سے پہلے جب بھی کسی نے ایسا دعویٰ کیا تو جب تک مسلمانوں کی حکومتیں تھیں' ایسے افراد کو قتل کر دیا گیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضور ﷺ کے فوراً بعد مسیلمہ کذاب اور جو دوسرے بڑے بڑے مدعیان نبوت اُٹھ کھڑے ہوئے تھے' اُن کے خلاف جہاد کیا گیا اور انہیں تہ تیغ کیا گیا۔ ایران میں علی محمد باب اٹھا تو وہاں چونکہ مسلمانوں کی حکومت تھی لہٰذا اُسے قتل کر دیا گیا۔ پھر اس کے مرید بہاء اللہ نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا اور خدا کا ظہور (Manifestation of God) ہونے کا بھی۔ بہاء اللہ کی موت اگرچہ طبعی ہوئی لیکن سرکاری طور پر ایران سے بہائیت کا تقریباً خاتمہ کر دیا گیا۔ اب بھی کوئی بہائی ایران میں نہیں رہ سکتا' سب وہاں سے بھاگ چکے ہیں' کوئی وہاں آئے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن بدقسمتی سے غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کے وقت ہندوستان میں انگریز کی حکومت تھی' لہٰذا ہر شخص کو کھلی چھوٹ تھی۔ اکبر الٰہ آبادی نے بڑے خوبصورت الفاظ میں وہ نقشہ کھینچا ہے:

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
گلے میں جو آئیں' وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر
''انا الحق'' کہو اور پھانسی نہ پاؤ!

اگر اسلامی حکومت ہوتی یا مسلمان حکومت ہی ہوتی تو مرزا کو یہ جرأت نہ ہوتی۔ مسلمان حکومتوں کے دوران جس نے ''انا الحق'' کہا (منصور) وہ سولی چڑھا دیا گیا اور جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا وہ قتل کر دیے گئے' لیکن یہاں انگریز کی حکومت تھی' جس میں کھلی چھوٹ تھی کہ چاہو تو خدائی کا دعویٰ کر دو' نبوت کا دعویٰ کر دو' رسالت کا دعویٰ کر دو' کوئی پوچھنے والا نہیں' کوئی پکڑنے والا نہیں'

کسی دار و گیر کا کوئی اندیشہ ہی نہیں۔ اسی زمانے میں غلام احمد قادیانی نے ایک دعوتی خط امیر کابل کو لکھا کہ وہ اس کی نبوت پر ایمان لائیں۔ جب وہ خط وہاں پہنچا تو امیر کابل نے اسی خط پر دو الفاظ لکھ کر خط واپس کر دیا: ''ایں جا بیا!'' یعنی ذرا یہاں آؤ! یہاں آ کر تم نبوت کا دعویٰ کرو تو پتا چل جائے کہ کس بھاؤ بکتی ہے۔ تم انگریز کی چھتری تلے بیٹھے ہوئے دعوے کر رہے ہو اور انگریز تمہاری پشت پناہی کر رہا ہے۔ تم نے جہاد کو ختم کر دیا' حرمت قتال کا فتویٰ دے دیا۔ انگریز کو اور کیا چاہیے؟ Glad Stone جبکہ برطانیہ کا وزیراعظم تھا' اُس نے اپنی پارلیمنٹ میں قرآن کو لہرا کر کہا تھا کہ جب تک یہ کتاب موجود ہے دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا' یہ تو جہاد اور قتال کی بات کرتی ہے۔ تو انگریز کو اور کیا چاہیے تھا کہ اگر کوئی اس قتال کو منسوخ کر دے اور مسلمانوں میں سے جذبۂ جہاد و قتال فی سبیل اللہ کو نکال دے تو اس سے بڑی اور کیا خدمت ہوگی! امیر کابل کے دو لفظی جواب میں یہ پیغام مضمر تھا کہ اگر تمہیں یہ دعوت دینی ہے تو ذرا یہاں آ کر مجھے دعوت دو تاکہ تمہارے چودہ طبق روشن ہوں اور تمہیں معلوم ہو کہ اس دعویٰ کرنے کا مطلب کیا ہے!

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم پر اللہ کا بڑا کرم ہوا تھا کہ اس ملک میں 1974ء میں قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار پانے کا فیصلہ ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ بہت ہی مبارک فیصلہ تھا۔ اس کے لیے جو تحریک اٹھی وہ بھی بہت ہی عمدہ تھی' بہت پرامن تھی' بہت منظم تھی۔ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اس کے قائد تھے۔ کوئی سیاسی لیڈر اس میں نمایاں نہیں تھا' خالص دینی تحریک تھی۔ پھر اُس وقت ہمارے ہاں حکمران ذوالفقار علی بھٹو تھا جو خالص سیکولر ذہن کا آدمی تھا اور قادیانیوں نے 1970ء کے الیکشن میں اُس کی حمایت کی تھی۔ قادیانی سمجھتے تھے کہ وہ تو ہمارا اپنا آدمی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھوں بہترین طریقے سے' جس پر اعتراض کیا ہی نہیں جا سکتا' پارلیمنٹ کے ذریعے سے فیصلہ کرایا۔ کوئی آرڈی نینس' کوئی حکم یا فرمان جاری نہیں ہوا تھا۔ پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی بنائی گئی اور قادیانیوں اور لاہوریوں کو اپنا موقف کھل کر پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔ ان دونوں گروہوں کے سرکردہ لوگوں نے اس کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر بیانات دیے اور وضاحت سے اپنا موقف بیان کیا۔ اُس وقت ان کا خلیفہ مرزا طاہر احمد کا غالباً بڑا بھائی مرزا ناصر احمد تھا' اس نے کہا کہ غلام احمد قادیانی کو ہم ڈنکے کی چوٹ پر نبی مانتے ہیں۔ لہٰذا اس کے بعد پارلیمنٹ نے فیصلہ کیا کہ یہ غیر مسلم ہیں۔

یہ ایک صحیح فیصلہ تھا' لیکن یہ فیصلہ ادھورا تھا۔ اس لیے کہ اس فیصلے سے قادیانیت کے فتنے کو کوئی گزند نہیں پہنچا ہے۔ غیر مسلم قرار دیے جانے کے فیصلے کے باوجود وہ فتنہ جوں کا توں پنپ رہا ہے' جوں کا توں پھیل رہا ہے اور اپنے سرطان کی جڑیں ہمارے معاشرے میں پھیلا رہا ہے۔ ویسے تو عالمی سطح پر انہیں بڑی سرپرستی حاصل ہو گئی ہے' پوری مغربی دنیا ان کی سرپرستی کر رہی ہے' لیکن اندرونِ ملک بھی اس فتنے کا قلع قمع اگر ہو سکتا تھا تو صرف اُس وقت جبکہ اس فیصلے کا جو قانونی اور منطقی تقاضا ہے' وہ بھی پورا کیا جاتا' اور وہ یہ کہ مرتد کی سزا قتل نافذ کی جاتی۔ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے زمانے میں مدعیانِ نبوت سے قتال کیا گیا' اور اسلامی تاریخ میں جتنے بھی لوگوں نے نبوت کے دعوے کیے انہیں ہمیشہ قتل کیا گیا۔ لہٰذا مرتدین کی سزا قتل جب تک نافذ نہیں ہوگی' اس فتنے کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا' بلکہ وہ تو اس فیصلے کے بعد اپنے آپ کو مظلوم سمجھتے ہیں اور دنیا کے سامنے مظلوم کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ آپ جتنے چاہیں آرڈی نینس نافذ کر لیں لیکن وہ سارے اسلامی شعائر استعمال کرتے ہیں۔ ان کے ہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ مسجد کی شکل نہیں بنا سکتے' ماڈل ٹاؤن میں ایک بڑی کوٹھی کے اندر اُن کا جمعہ ہوتا ہے' ان کے عید کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ وہ سارے شعائرِ اسلامی کو استعمال کر رہے ہیں اور الٹا مظلومیت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے' جیسے دنیا میں یہودیوں نے Holocaust کی مظلومیت کا لبادہ اپنے اوپر اوڑھا ہوا ہے کہ ہم جو چاہیں نوعِ انسانی پر ظلم کر لیں یہ ہمارا حق ہے' اس لیے کہ ہم نے Holocaust کی صورت میں بہت بڑا ظلم سہا تھا۔ جرمنوں نے ہمارے ساٹھ لاکھ آدمی ختم کر دیے تھے' تو ہم اگر آٹھ' دس لاکھ فلسطینی اور دوسرے مسلمانوں کو قتل کر دیں گے تو کون سی بڑی بات ہے؟ اسی طرح قادیانیوں نے مظلومیت کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ جس روز بھی یہ فیصلہ ہوا' ساتھ ہی واضح کر دیا جاتا کہ آج کی اس تاریخ سے پہلے پہلے جو قادیانی ہیں وہ تو اقلیت قرار پائیں گے' لیکن اس فیصلے کے نفاذ کے بعد جو شخص بھی قادیانیت اختیار کرے گا اس پر قتل مرتد کی حد جاری کی جائے گی۔ جب تک یہ نہیں ہوگا اس فتنے کا استیصال تو دور کی بات ہے' اس کو کوئی گزند بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ❁❁❁

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ

مرکز تنظیم اسلامی نزد گرڈ سٹیشن ڈبر (تیمر گرہ) ضلع دیر پائین (کے پی کے زون) میں

02 تا 04 اکتوبر 2026ء (بروز جمعۃ المبارک نمازِ عصر تا بروز اتوار نمازِ ظہر)

مدرسین کورس

(نئے و متوقع مدرسین کے لیے)

نوٹ: مدرسین کورس کے لیے درج ذیل کتابچہ کے مطالعہ کا اہتمام فرمائیں۔

☆ قرآن کے نام پر اُٹھنے والی تحریکات اور ان کے بارے میں علماءِ کرام کے خدشات۔

اور

مدرسین ریفریشر کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے

زیادہ سے زیادہ ذمہ داران پروگرام میں شریک ہوں۔

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0343-0912306/0345-9535853

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت: 78-35473375(042)

ہوئے تم دوست جس کے......

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

دنیا اپنی ڈگر پر چلی جارہی ہے۔ نیا کچھ بھی نہیں۔ اسرائیل اندھا دھند اپنے منصوبے پر رواں دواں ہے۔ پاکستان اور اسرائیل دو نظریاتی ممالک ایک سال کے وقفے پر دنیا کے نقشے پر ابھرے۔ پاکستان امتِ مسلمہ کا گل سرسبد کہلایا۔ کم از کم بانیانِ پاکستان نے یہی خواب دیکھا، دکھایا تھا۔ اسے 'نیشن سٹیٹ' (قومی ریاست) کے فارمولے پر (مشترک زبان، ثقافتی بود و باش، سیاسی جغرافیائی حدود کی بنا پر) تشکیل نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ قدرِ مشترک صرف ایک تھی، 'اسلام'! یہی اشتراک مختلف زبانوں، جغرافیائی حدود اور اندازِ رہن سہن کو ایک رنگ 'صبغۃ اللہ' کا دے کر یکجا کرنے کا باعث بنا۔ پرچم ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا، سندھی، بلوچی، پٹھان، پنجابی، اردو زبان کو قومی زبان قرار دے کر یک جان ہوگئے۔ حتیٰ کہ مشرقی بنگال آج پھر قائداعظم کا شکر گزار ہو رہا ہے کہ ہمارا حشر مقبوضہ کشمیر والا نہ ہوا، بھارت سے آزاد پاکستان کا باضابطہ حصہ بن جانے کی بنا پر۔ اسے دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے ایک قلعہ اور ماں کی گود کا سا محافظ و شفیق بننا تھا۔ جبھی تو قائداعظم نے فلسطین بارے نہایت واضح، موثر اور دوٹوک رویہ اختیار کرتے اسرائیل کے ناجائز، جبری مسلط کردہ وجود تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ کشمیر کو شہ رگ قرار دیا۔ انڈونیشیا کی جنگِ آزادی میں برطانوی راج کے مسلم فوجیوں کو علیحدہ ہوکر انڈونیشی مسلمانوں کا ساتھ دینے کو کہا۔ مگر پھر قائداعظم رخصت ہوئے اور پے در پے قوم توڑی (برطانوی، امریکی......) حکمرانوں کے ہاتھوں آج وطنِ عزیز حقیقی شناخت کھوچکا ہے۔

دوسری جانب اسرائیل کے بانی/باپ ڈیوڈ بن گوریان نے 1918ء میں اپنا خواب اور اسرائیل کا مقصد واضح کردیا تھا کہ اتنا چھوٹا اسرائیل ہرگز قبول نہ ہوگا۔ اسے عظیم تر (گریٹر) اسرائیل بننا ہے۔ (ہم نے جب سے شعور سنبھالا یہی مبنی بر ظلم دعویٰ سنتے پڑھتے آئے ہیں!) مکمل فلسطین، اردن، لبنان، شام، نصف سے زائد سعودی عرب پر مشتمل۔ مگر جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے! دنیا کو تو خبر ہے۔ صرف مسلمان حکمران اور ہمارے عوام الناس اس سے بے خبر ہیں۔ سو ابراہیمی معاہدے اسرائیل سے باہو کر چکے یا کرنے کو تلے بیٹھے ہیں! (جواب میزائلوں کی زد میں ہے!) جب کہ آج کا اسرائیلی نعرہ: 'نیل تا فرات' پر دعوے دار ہے۔ جس سے آج کے مصر کے کچھ حصے، (مصر پر امریکی تسلط، بذریعہ سالانہ امدادی ڈالرز!) مذکورہ عرب علاقوں کے ساتھ عراق تک تسلط کی بات ہے۔ یعنی حرم کی پاسبانی ...... اقبالؒ کے شعر کا 'مُنکہ' ہوگیا۔ نیل کے ساحل سے لے کر تابہ دریائے فرات! جس کا پہلا مصرعہ ٹرمپ نے تراشا: ایک ہوں گورے صیہون کی پاسبانی کے لیے!

برطانیہ نے آتش زیرِ پا برطانویوں کے لیے بظاہر قاتل وغارت گر مغربی کنارے کے آبادکاروں کی درآمدات پر پابندی عائد کردی۔ جس پر ظاہر داری کو صیہونی بلبلا اٹھے۔ مگر برطانوی سفارت کاروں نے امریکہ کو تسلی دلائی کہ یہ ہاتھی کے دکھانے کے دانت ہی ہیں۔ عملاً فرق نہیں پڑے گا!

اب خلیجی صورتِ حال، حوثیوں (یمن) کی اس جنگ میں دھماکہ دار شمولیت سے نیا موڑ مڑ چکی ہے۔ ہرمز پہلے ہی بیٹھے بٹھائے ایک دن آزاد و بین الاقوامی بحری گزرگاہ کی بجائے ایران کی دعوے داری میں آگیا۔ ساری دنیا کی تجارت (اہم ترین تیل) داؤ پر لگ گئی۔ 28 فروری 2026ء سے شروع ہونے والا امریکی اسرائیلی، ایران پر حملہ کیا ہوا، بہت کچھ مزید زیر و زبر ہوگیا۔ اسرائیل، امریکہ ایران کو باہم مصروف کرکے اس کی آڑ میں خود لبنان، شام پر گریٹر اسرائیل ایجنڈے کے تحت جت گیا۔ غزہ حملے جاری ہیں۔ ایران نے فارمولا یہ طے کرلیا کہ امریکہ جب جہاں ایران پر حملہ کرے گا، اس کا جوابی حملہ ایران امریکی سرزمین کی بجائے مشرقِ وسطیٰ میں عرب ممالک میں موجود امریکی اڈوں پر دے گا۔ نتیجہ؟ صرف امارات کا نقصان اس جنگ کے نتیجے میں (ایرانی حملوں سے) اربوں ڈالر ہمہ نوع تنصیبات کی تباہی سے ہوا۔ سیاحت کی صنعت ختم ہوگئی، یو اے ای کی تجارت برباد ہوگئی۔ 80 فیصد بھرے پرے ہوٹل اب صرف 10 فی صد آباد ہیں۔ سرمایہ کاری، مارکیٹ ڈھے گئی۔ تجارتی پابندیاں، مسائل مشکلات نے رہی سہی کسر نکال دی۔ باقی عرب ممالک پر اثرات کچھ کم نہیں۔ امریکہ کا کیا بگڑا، امریکی اڈوں پر ایرانی حملوں سے؟ عرب ممالک امریکی معیشت کو توانا کرتے رہے شب و روز! 2025ء میں سعودی عرب نے ٹرمپ سے 142 ارب ڈالر کا دفاعی معاہدہ کیا۔ یہ دفاعی ساز و سامان، دفاعی فروخت کا سب سے بڑا پیکج قرار دیا گیا۔ یہ خریداری امریکی صنعت، روزگار، امریکی قومی مفاد کی سب سے بڑی کامیابی گردانی گئی۔

اب خلیجی صورتحال میں نیا عنصر حوثیوں کا کود پڑنا ہے۔ یمنی حوثی باب المندب (جو ہرمز ہی کی طرح اہم ترین تنگ بحری گزرگاہ ہے) میں سعودی عرب کو دباؤ میں لانا چاہتے تھے۔ 8 ستمبر کو حوثیوں نے سعودی عرب پر میزائل حملے کرکے 73 زخمی کیے۔ تیل کی تنصیبات پر بڑی آگ بھڑکی۔ جس کے جواب میں سعودیہ نے 50 سے زائد ہوائی حملے یمن پر کیے۔ ادھر یمن میں باب المندب والے حصے کے دو اہم جزیروں پر حوثیوں نے قبضہ کرلیا۔ جس سے پورا مغربی یمنی ساحل، اور بحرِ احمر کا جنوبی راستہ، سویز کنال سب حوثی کنٹرول میں آگیا۔ ساتھ ہی اعلان کردیا کہ بین الاقوامی بحری جہاز آزادانہ گزر سکتے ہیں ماسوا سعودی عرب کے۔ باب المندب کے افریقی ساحل پر اسرائیل بھی گہری نظر لگائے بیٹھا ہے۔

ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ مجتبیٰ خامنہ ای کے مشیر محمد مخبر نے اسے 'بلند آہنگ کامیابی' قرار دیا۔ یہ بھی کہا کہ حوثی ہمارے اتحادی ہیں۔ یہ رپورٹ بھی رہی کہ ایرانی پاسدارانِ انقلاب حوثیوں کی رہنمائی اور مدد کر رہے تھے۔ تاہم ایرانی سرکاری موقف ہے کہ حوثی اپنے فیصلوں میں خودمختار ہیں۔ امریکہ اس وقت چپکا تماشائی بنا ہے۔ سعودیہ نے ٹرمپ سے حوثیوں پر فضائی حملے کی درخواست کی، مگر سعودی خریداریوں سے امریکی معیشت مضبوط کرنے والے طوطا چشم نے صاف انکار کردیا۔ یہ وہی امریکہ ہے جس نے 2002ء سے 2025ء تک یمن پر ڈرون حملوں سے اسے ادھیڑ ڈالا۔ بات واضح

ہے۔ امریکہ مشرقِ وسطیٰ ممالک کی صرف دولت سے کھیلنا چاہتا ہے۔ اپنے پرانے گاہکوں کے تحفظ سے اسے کوئی دلچسپی نہیں۔ امریکہ حوثیوں سے الجھنا نہیں چاہتا۔ مسلم ممالک کی آنکھیں اب بھی نہ کھلیں گی؟ قطر سے ایک ارب ڈالر کا طیارہ، سبھی عربوں کی فراخدلانہ مہمان نوازی کے باوجود امریکہ کی حیا، مروت لحاظ کی آنکھ بھینگی ہی رہی!

اب پلٹ کر دیکھیے تو اسرائیل امریکہ کے ایران پر حملے سے نقصانات کے باوجود اسے خطے میں ایک نیا مقام، نئی قوت حاصل ہوگئی۔ ہرمز جیسی اہم اور نازک تجارتی آبی شاہراہ، اور اب باب المندب پر حوثیوں کا قبضہ! سعودی عرب پر حوثی حملے جاری ہیں۔ کنگ فہد بیس پر فائٹر جیٹ شیلٹر تباہ، آرامکو کی مختلف کمپنیوں پر حملے سے اٹھتا گاڑھا دھواں۔ جنوبی سعودی عرب میں شرورہ بیس اسلحہ ڈپو اور کمانڈ کنٹرول سینٹر پر بلیسٹک میزائلوں کی بوچھاڑ۔ قبل ازاں سعودی آئل پائپ لائن جو باب المندب بند ہونے پر متبادل ترسیل کے لیے بنی تھی، اس پر بھی سخت حوثی حملہ ہوا، جس سے تیل کی سپلائی معطل ہوگئی۔ اس سب پر بھی امریکہ نے سعودیوں سے منہ موڑ لیا!

مسلم دنیا امریکہ کی دوستی کے کما حقہٗ سبھی ذائقے چکھ چکی۔ مسلم ممالک اپنے تحفظ کا انتظام خود کریں۔ وسیع تر سلامتی کیونکر یقینی ہے؟ ایران کا تنہا بڑی مسلم طاقت بن کر کھڑا ہونا کیونکر علاقائی بقائے باہمی میں فٹ ہوگا۔ تمام مسلم ممالک کو احتیاط اور توازن سے باہمی الجھاؤ سے بچتے ہوئے اپنے تشخص، سلامتی اور مفادات کا تحفظ کرنا ہے۔ اسی گھمبیرتا کے بیچ 11 ستمبر (9/11) بھی ہو گزرا۔ امریکہ پر حملے کے نتیجے میں 3 ہزار کا مارا جانا تو قیامت برپا ہو گئی! صرف دو تجارتی، معاشی عمارات کا گرنا جرمِ عظیم قرار پایا! جس پر 25 سال سے قیدی گوانتاموبے بدنام کل عالم جیل میں ثبوت طلب ملزم بدترین ٹارچر اور قید و بند سے دوچار ہیں۔ جبکہ طے شدہ نسل کشی (Genocide) کا جنگی مجرم نیتن یاہو غزہ کی تباہی پر بدستور جاری و ساری ہے بلا گرفت! خود اسرائیلی شہری فلسطینیوں پر بدترین مظالم کی فلم بنا کر ثبوت پیش کر کے آسکر ایوارڈ لے چکے۔ لرزہ خیز جرائم پر ریکارڈ توڑ خراجِ تحسین گوری (آرٹ فلم کی) دنیا نے دیا۔ مگر کفر کو زک پہنچانے والوں کا نام لینا بھی 2 ارب مسلم آبادی کے لیے جرمِ عظیم ہے، آج بھی!

قابلِ غور

تحریری واردات کیا ہوتی ہے؟

فواد علی لوہانی

تحریری واردات ایک ایسی واردات ہوتی ہے جس میں بعض لکھاری اپنے خفیہ ایجنڈے کو اپنی تحریر میں کچھ اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ بیشتر لوگ اس واردات کی سنگینی کا احساس نہیں کر پاتے۔ مثلاً مختلف پاکستانیوں کا ذکر کرتے کرتے ڈاکٹر عبدالسلام کا نام لکھ کر اس کے سامنے لکھ دیں گے: "یہ وہ مظلوم شخص تھا جسے ایک مخصوص طبقہ مسلمان ہی نہیں سمجھتا تھا۔" اب آپ روانی کے ساتھ تحریر پڑھ رہے ہوتے ہیں، عبدالسلام کا نام آنے سے پہلے تیرہ چودہ غیر متنازعہ افراد کے نام اور تعارف پڑھ چکے ہوتے ہیں، یہ لکھاری آپ کے ذہن پر اپنی غیر جانبداری ثبت کر چکا ہوتا ہے۔ عبدالسلام والی ڈنڈی مارنے کے بعد پھر دس بارہ غیر متنازعہ شخصیات کی تعریفیں کر کے وہ اپنی غیر جانبداری کی ایک اور مہر لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس دوران اپنا اصل میسج وہ پہنچا چکا ہوتا ہے کہ قادیانی غیر مسلم نہیں، بلکہ محض ایک فرقہ ہیں، بس ایک "مخصوص طبقہ" ہی انہیں مسلمان نہیں سمجھتا۔ اور آپ محض یہ سوچ کر کہ تحریر بہت اچھی ہے، پچیس تیس پاکستانیوں کی تعریفیں ہوئی پڑی ہیں: اسے شیئر کر دیتا ہوں۔ ہر تھوڑی دیر بعد آپ کا کامن سینس آپ کو کلک کرتا ہے کہ اس میں ڈنڈی ماری گئی ہے، لیکن آپ یہ سوچ کر کہ کہیں لوگ آپ کو "تنگ نظر" یا "کیڑے نکالنے والا" نہ کہہ دیں، ایسی کسی پوسٹ کو شیئر کر دیتے ہیں۔ ایسی ہی کئی تحریریں سوشل میڈیا پر روزانہ گردش کرتی ہیں اور ایک بڑی تعداد ان پر سبحان اللہ، ماشاءاللہ، واہ جی کیا بات ہے، جیسے کمنٹس کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں فارورڈ بھی کر رہے ہوتے ہیں۔

کچھ لوگوں کو گلہ ہوتا ہے کہ علماء عوام کو شعور کیوں نہیں دیتے۔ یہ گلہ ایک ایسا شخص کر سکتا ہے جو کم عمر ہو، لیکن پچاس ساٹھ سال کا کوئی شخص جو زمانے کو دیکھ چکا ہو، وہ جب ایسی تحریر کو سمجھے بغیر شیئر کرتا ہے تو اب ایسے شخص کو کیسے کوئی شعور دے۔ یہ جو حد سے زیادہ مثبت سوچنے والی بیماری ہے نا، اس نے کئی لوگوں کا دماغ خراب کیا ہوا ہے۔ ایسی ایسی باتیں بھی ہضم کر جاتے ہیں، جو ایمان کے لیے انتہائی خطرناک ہوتی ہیں۔ اصول یہی ہے ...... کہ

جس طرح آپ باقی معاملات میں ہر وقت "مثبت نہیں بلکہ سائنسی انداز میں سوچتے ہیں، ویسے ہی کسی بھی پوسٹ کو شیئر کرتے وقت مثبت سوچنے والے فیشن سے نکل کر سائنسی انداز میں سوچنے کی عادت ڈالیں۔ ٹھیکیدار کو پیسے دینے سے پہلے گھر کے ایک ایک کونے کو ٹھوک بجا کے دیکھتے ہیں، وہاں پازیٹو بننے کی عیاشی افورڈ نہیں کرتے۔ گاڑی لیتے وقت تین چار ماہرین کی رائے لیتے ہیں، وہاں مثبت بننے کا ناٹک نہیں کرتے۔ رشتہ کرتے وقت ایک ایک پہلو سے سوچتے ہیں اور وہاں بھی آپ کو پُرامید ہونے کا بخار نہیں چڑھتا...... تو دین کے معاملے میں آپ عقل کو کیوں سلا دیتے ہیں؟...... آپ کو پُرامید ہونے کی بیماری کیوں لاحق ہو جاتی ہے؟ آپ خود کو بے وجہ مثبت سوچ کا حامل کیوں دکھانا چاہتے ہیں؟

اس کے ساتھ ہی ایک اور طریق یہ ہے کہ کوئی گمنام لکھاری سوشل میڈیا پر ایک ایسی حدیث لکھتا ہے جو کافی معروف ہوتی ہے، لیکن ایک دو جملے لکھنے کے بعد وہ اس میں اپنی کہانی شامل کر لیتا ہے۔ اور ایک بار پھر آپ یہاں بھی غلط فہمی کا شکار ہو کر پوری تحریر کو ہی حدیث سمجھ کر شیئر کر دیتے ہیں۔ اب اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ یہ نتیجہ آج نہیں نکلے گا، یہ چند سال بعد نکلے گا جب سوشل میڈیا ایسی پوسٹس سے بھرا ہوگا، اور اس وقت کے نوعمر احادیث کے نام پر من گھڑت کہانیاں پڑھیں اور سنیں گے تو وہ پورے ذخیرہ احادیث سے متنفر ہو جائیں گے۔ اور ایک بار پھر آپ کڑھ رہے ہوں گے کہ "غیروں نے سازش" کر دی۔ حالانکہ اس سازش کو پھیلانے میں آپ بھی اپنا حصہ ڈال چکے ہوں گے۔ ہر سال سات ستمبر کو یومِ ختمِ نبوت منایا جاتا ہے؛ لیکن کیا آپ کو اس کے تقاضے بھی معلوم ہیں؟ باقی پورا سال کیوں غائب دماغی میں گزرتا ہے؟ باقی سارا سال تحفظِ عقیدۂ ختمِ نبوت کا احساس کیوں نہیں رہتا؟ باقی بارہ مہینے فتنۂ انکارِ حدیث کی شدت کا احساس کیوں نہیں رہتا؟ سوچیں کیا ہمارا کام صرف چند ایام منانا ہیں؟ اور کیا یہ سارے کام صرف علماء کے کرنے کے ہیں؟

مسئلہ کشمیر کا قابلِ عمل حل چاہیے!

ڈاکٹر ضمیر اختر خان

قائداعظم محمد علی جناح نے کشمیر کو پاکستان کی ''شہ رگ'' کہا تھا۔ آج اس شہ رگ کا بڑا حصہ بھارت کے قبضے میں ہے اور جل رہا ہے۔ ہم اب بھی تقریریں کر رہے ہیں! ایک طرف مقبوضہ کشمیر میں بھارت کی ریاستی طاقت کشمیریوں پر مظالم ڈھا رہی ہے، بلکہ نسل کشی کر رہی ہے اور ان کی سیاسی آواز دبانے میں مصروف ہے، دوسری طرف آزاد کشمیر میں عوام بجلی، آٹے، روزگار، نمائندگی، حکمرانی اور اپنے بنیادی حقوق کے لیے سڑکوں پر نکلنے پر مجبور ہیں۔ ادھر اسلام آباد میں کشمیر کمیٹیاں، قراردادیں، بیانات اور کانفرنسیں اپنی جگہ موجود ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ کشمیر کے عوام کہاں ہیں؟ یہی وہ سوال ہے جو محترم کشمیری صحافی شیخ محمد امین کی کتاب ''کشمیر فریب زدہ'' پڑھتے ہوئے بار بار ذہن میں آتا ہے۔ کتاب کے بعض نکات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، بعض شخصیات کے بارے میں مصنف کا لہجہ سخت بھی ہے، لیکن ان کی بنیادی شکایت کو نظر انداز کرنا آسان نہیں۔ کشمیری عوام نے قربانیاں دیں، نسلیں گزریں، مگر پاکستان کی کشمیر پالیسی میں تسلسل، وضاحت اور نتیجہ خیزی کا فقدان رہا۔ شیخ محمد امین نے پاکستانی حکمران اشرافیہ کی مختلف پالیسیوں کو ''تاجرانہ ڈاکٹرائن'' اور ''باجوہ ڈاکٹرائن'' جیسے عنوانات کے ذریعے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ کوئی ان کے تجزیے سے سو فیصد اتفاق کرے یا نہ کرے، لیکن ایک سوال بہرحال جواب طلب ہے:

کیا ہم نے کشمیر کو کبھی واقعی ایک قومی و ملی مسئلہ سمجھ کر مستقل، غیر متزلزل اور قابلِ عمل پالیسی بنائی؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر آج کشمیر کہاں کھڑا ہے؟ 5 اگست 2019ء کو بھارت نے مقبوضہ جموں و کشمیر کی آئینی حیثیت ہی تبدیل کر دی۔ جس مسئلے پر پاکستان اور بھارت کئی جنگیں لڑ چکے ہیں، جس کے لیے کشمیریوں نے بے شمار قربانیاں دی ہیں، اسے محض چند سفارتی بیانات سے نہیں نمٹایا جا سکتا۔ اور یہیں سے اصل مسئلہ شروع ہوتا ہے۔

کشمیر کو اب تقاریر نہیں ایک جامع حکمت عملی چاہیے۔ ہم نے کشمیر کے لیے بہت کچھ کیا ہے یہاں تک کہ جنگیں لڑیں، سفارتی محاذ پر آواز اٹھائی، اقوام متحدہ گئے، یوم یکجہتی منائے، پارلیمانی قراردادیں منظور کیں، دنیا کو بھارتی مظالم سے آگاہ کیا۔ لیکن اب وقت ہے کہ ہم اپنے آپ سے ایک بے رحم سوال کریں کہ ''کیا یہ سب کچھ کافی ہے؟'' اگر نہیں اور یقیناً نہیں! تو پھر نیا راستہ کیا ہے؟ میری نظر میں پہلا قدم یہ ہے کہ کشمیر کو حکومتوں اور سیاسی جماعتوں کی وقتی ترجیحات سے نکال کر پاکستان کی مستقل قومی و ملی پالیسی بنایا جائے۔ وزیراعظم بدلے، حکومت بدلے، پارلیمان بدلے، عسکری قیادت بدلے، خارجہ پالیسی کے انداز بدلیں، مگر کشمیر پر پاکستان کا بنیادی موقف تبدیل نہ ہو۔ کشمیر کسی ایک حکومت کی ملکیت نہیں۔ کشمیر پاکستان کا قومی و ملی مسئلہ ہے اور کشمیری عوام اس مسئلے کے بنیادی فریق ہیں۔

سب سے پہلے آزاد کشمیر!

یہ عجیب المیہ ہے کہ ہم مقبوضہ کشمیر کے عوام کو آزادی، جمہوریت، انسانی حقوق اور بہتر مستقبل کی امید دلاتے ہیں، مگر آزاد کشمیر کے عوام جب اپنے بنیادی مسائل کی بات کرتے ہیں تو ہم انہیں شک کی نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں۔ یہ رویہ تبدیل کرنا ہوگا۔ آزاد کشمیر کو محض پاکستان کے زیر انتظام ایک خطہ نہیں بلکہ مسئلہ کشمیر کی عملی سفارت کاری کا سب سے طاقتور نمونہ بنانا ہوگا۔ ہمیں دنیا کو دکھانا ہوگا کہ آزاد کشمیر میں شفاف حکومت ہے۔ مقامی حکومتیں بااختیار ہیں۔ عوام کو وسائل پر جائز حق حاصل ہے۔ بجلی پیدا کرنے والے خطے کے عوام کو بجلی کی قیمت میں ریلیف حاصل ہے۔ تعلیم اور صحت کی سہولتیں عام ہیں۔ حکمرانوں کی مراعات محدود ہیں۔ کرپشن پر سخت گرفت ہے۔ نوجوانوں کو روزگار اور کاروبار کے مواقع حاصل ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ریاست اپنے شہری کو بوجھ نہیں بلکہ عزت کا حامل انسان سمجھتی ہے۔ اگر آزاد کشمیر ایک مثالی ریاست بن جائے تو یہ پاکستان کے لیے صرف انتظامی کامیابی نہیں ہوگی؛ یہ کشمیر کے مقدمے کی سب سے موثر عالمی دلیل ہوگی۔

عوام دشمن حکمرانی اور کشمیر دوست سیاست اب نہیں چلے گی۔ آزاد کشمیر کا موجودہ بحران ہمیں یہی بنیادی سبق دے رہا ہے۔ عوام کو ہمیشہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ''کشمیر کا مسئلہ بڑا ہے، اپنے مسائل بھول جاؤ۔'' نہیں! جس شخص کے گھر میں بجلی کا بل ادا کرنے کے لیے پیسے نہیں، جس نوجوان کے پاس روزگار نہیں، جس مریض کو مناسب علاج نہیں مل رہا، جس شہری کو اپنے نمائندے تک رسائی نہیں، اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ صرف نعروں سے مطمئن ہو جائے گا۔ وطن سے محبت کا مطلب عوام کے مسائل سے بے اعتنائی ہرگز نہیں ہونا چاہیے بلکہ حقیقی حب الوطنی یہ ہے کہ ریاست اپنے شہری کو عزت، انصاف اور بنیادی سہولت فراہم کرے۔

آزاد کشمیر میں عوامی اضطراب کو دشمن کی سازش کہہ کر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی دشمن انتشار پیدا کرنا چاہتا ہے تو ریاست کو اس کا مقابلہ کرنا چاہیے؛ لیکن عوام کے جائز مطالبات کو دشمن کا ایجنڈا قرار دینا مسئلے کو مزید گہرا کرے گا۔ ریاست کی رٹ کے لیے یہ بھی ضروری ہے اور عوام کا اعتماد بھی۔ طاقت ریاست کو وقتی خاموشی دے سکتی ہے جبکہ اعتماد مستقل استحکام دیتا ہے۔

اب وقت آ گیا ہے کشمیر کے اصل فریق کو فیصلہ سازی میں لایئے۔ پاکستان کو اب کشمیر پر ایک نیا ادارہ جاتی ڈھانچہ بنانا چاہیے۔ ایک مستقل قومی کشمیر کونسل تشکیل دی جائے جس میں پاکستان کی تمام بڑی سیاسی جماعتیں، آزاد کشمیر کی سیاسی قیادت، کشمیری دانشور، قانونی ماہرین، نوجوان، بیرون ملک کشمیری اور مقبوضہ کشمیر کی مختلف سیاسی آوازوں کے نمائندے شامل ہوں۔ اس کونسل کا کام حکومت چلانا نہیں بلکہ کشمیر کے مسئلے پر قومی اتفاق رائے اور طویل المدت حکمت عملی تشکیل دینا ہو۔ اس کے ذریعے دنیا کو واضح پیغام دیا جائے کہ پاکستان کشمیر کو کسی ایک حکومت یا ایک جماعت کا مسئلہ نہیں سمجھتا۔ بھارت سے بات چیت ہو، مگر سر جھکا کر نہیں۔ ایک اور حقیقت تسلیم کرنا ہوگی کہ جنگ مسئلے کا مستقل حل نہیں۔ پاکستان کو بھارت کے ساتھ مذاکرات سے اصولی طور پر گریز نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن مذاکرات کا مطلب یہ نہیں کہ کشمیر کو مذاکرات کی میز سے اٹھا کر باہر رکھ دیا جائے۔ مذاکرات کا ایجنڈا واضح ہونا چاہیے۔ مثلاً کشمیر میں انسانی حقوق، سیاسی حقوق، کشمیری قیادت، قیدیوں اور سیاسی کارکنوں کے مسائل، لائن آف کنٹرول پر امن، خاندانوں کے باہمی رابطے، تجارت، آمدورفت، اور بالآخر ایک ایسا سیاسی تصفیہ جس میں کشمیری عوام کی حقیقی مرضی بنیادی حیثیت رکھتی ہو۔

لائن آف کنٹرول کو تقسیم کی لکیر بنانے کی بجائے

رابطے کا راستہ بنایا جائے۔ اگر فوری طور پر حتمی تصفیہ ممکن نہیں تو عبوری طور پر یہ بڑا قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔ لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد بنانے کے بجائے اسے امن اور رابطے کی لکیر میں تبدیل کیا جائے۔ دونوں اطراف کے کشمیری خاندان ایک دوسرے سے مل سکیں۔ تجارت ہو۔ طلبہ ایک دوسرے سے رابطہ کر سکیں۔ مریضوں کے لیے آمدورفت آسان ہو۔ مذہبی و ثقافتی روابط بحال ہوں۔ مشترکہ ماحولیاتی منصوبے بنیں۔ یوں وہ لکیر جو آج کشمیریوں کو تقسیم کرتی ہے کل کشمیریوں کو ملانے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

کشمیر کی تحریک کو عالمی اخلاقی مقدمہ بنایا جائے اور پاکستان کو کشمیر کے مقدمے کی سفارت کاری کا بھی ازسرنو جائزہ لینا چاہیے۔ ہمیں دنیا کے سامنے صرف یہ نہیں کہنا کہ ''کشمیر پاکستان کا حصہ ہے۔'' ہمیں دنیا سے یہ سوال بھی پوچھنا چاہیے کہ کیا کسی قوم کے سیاسی مستقبل کا فیصلہ اس کے عوام کی مرضی کے بغیر کیا جا سکتا ہے؟ کیا انسانی حقوق جغرافیہ دیکھ کر تبدیل ہو جاتے ہیں؟ کیا طاقت کسی قوم کی سیاسی خواہش کو ہمیشہ کے لیے ختم کر سکتی ہے؟ کیا 21ویں صدی میں کسی خطے کے عوام کو صرف اس لیے نظرانداز کیا جا سکتا ہے کہ بڑی طاقتیں اپنے معاشی اور تزویراتی مفادات رکھتی ہیں؟ کشمیر کا مقدمہ انسانی حقوق، انصاف، سیاسی آزادی اور حق خود ارادیت کی عالمی زبان میں پیش کرنا ہوگا اور اس کے لیے جذباتی تقریروں سے زیادہ ضرورت ہے، مستند اعداد و شمار، دستاویزات، قانونی تحقیق، عالمی میڈیا، پارلیمانی سفارت کاری اور نوجوان کشمیری سفارت کاروں کی ایک نئی نسل کی۔

اور آخر میں اصل سوال یہ ہے کہ کیا کشمیر کا مسئلہ ہمیشہ اسی طرح چلتا رہے گا؟ کیا ایک نسل قربانی دے گی، دوسری نسل احتجاج کرے گی، تیسری نسل ہجرت کرے گی اور چوتھی نسل پھر وہی تقریریں سنے گی؟ نہیں! کسی نہ کسی مرحلے پر تاریخ ہم سے فیصلہ مانگے گی۔ اس لیے پاکستان کو اب ایک دس نکاتی قومی کشمیر لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے: 1۔ کشمیر پر مستقل قومی پالیسی۔ 2۔ تمام سیاسی جماعتوں کا کشمیر پر قومی اتفاق رائے۔ 3۔ آزاد کشمیر میں اچھی حکمرانی اور حقیقی مقامی خود اختیاری۔ 4۔ آزاد کشمیر کے عوام کو بجلی، پانی، معدنیات اور دیگر مقامی وسائل میں منصفانہ حصہ۔ 5۔ کشمیری قیادت کو کشمیر پالیسی کی تشکیل میں حقیقی شریک کرنا۔ 6۔ بھارت کے ساتھ اصولی مگر مسلسل مذاکرات۔ 7۔ لائن آف کنٹرول کو انسانی، تجارتی اور سفارتی رابطے کا راستہ بنانا۔ 8۔ عالمی سطح پر کشمیر کے انسانی و سیاسی حقوق کا مستقل مقدمہ۔ 9۔ کشمیری نوجوانوں کے لیے عالمی سفارت کاری، میڈیا اور قانون کے میدان میں خصوصی تربیت۔ 10۔ حتمی سیاسی تصفیے کے لیے ایسا قابل قبول فریم ورک تیار کرنا جس میں کشمیری عوام کی آزادانہ سیاسی رائے بنیادی حیثیت رکھتی ہو۔

یہی وہ راستہ ہے جو کشمیر کو محض ایک ''تنازع'' سے نکال کر ایک قابل عمل سیاسی مسئلے میں تبدیل کر سکتا ہے۔

اور ہاں! فریب کا دور ختم ہونا چاہیے! شیخ محمد امین کی کتاب کا عنوان چاہے کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو، ہمیں اس تلخی سے بھاگنے کے بجائے، اس میں چھپے سوالات کا سامنا کرنا چاہیے۔ کشمیریوں سے اب صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ ''ہم آپ کے ساتھ ہیں۔'' انہیں بتانا ہوگا، ہم آپ کی آواز بن رہے ہیں، ہم آزاد کشمیر کو بہتر بنائیں گے، ہم اپنی کشمیر پالیسی کو مستقل بنائیں گے۔ ہم دنیا کے سامنے آپ کا مقدمہ دلیل سے لڑیں گے۔ ہم بھارت سے بات بھی کریں گے اور اپنے اصول بھی نہیں چھوڑیں گے۔ اور سب سے بڑھ کر ''ہم آپ کے مستقبل کا فیصلہ آپ کی مرضی کے بغیر نہیں کریں گے۔''

کشمیر کی آزادی کا خواب زندہ ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ کوئی کتاب، کوئی حکومت اور کوئی تجزیہ نگار نہیں کر سکتا۔ فیصلہ تاریخ کرے گی۔ لیکن تاریخ کا ایک اصول بہت واضح ہے:

جو قومیں اپنے بحرانوں سے سبق نہیں سیکھتیں، تاریخ انہیں دوبارہ وہی امتحان دیتی ہے مگر اگلی بار سوال زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ آج سوال ہمارے سامنے ہے۔ کیا ہم کشمیر کو ایک اور نسل کے انتظار میں چھوڑ دیں گے، یا اب واقعی کوئی قابل عمل حل تلاش کریں گے؟ کشمیر کو اب نعروں کی نہیں، دیانت دار سیاست، مثالی حکمرانی، مستقل سفارت کاری اور کشمیری عوام کو حقیقی فریق بنانے کی ضرورت ہے۔ اور شاید یہی وہ لمحہ ہے جب پاکستان کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ ''کشمیر ہمارے بیانات کا موضوع نہیں رہے گا؛ کشمیر ہماری قومی حکمتِ عملی کا مرکز ہوگا۔'' فریب بہت ہو چکا۔ اب کشمیر کے لیے ایک قابل عمل حل چاہیے۔

ہمارے نزدیک نہ صرف یہ کہ عالم اسلام بلکہ عالم انسانیت کے مسائل کا حل اسلام کے عادلانہ و منصفانہ نظام کو اختیار کرنے میں ہے۔ عالم اسلام بالخصوص اہل پاکستان کو تو جلد از جلد اس وعدے کی تکمیل کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیے جس کے مطابق پاکستان کو اسلام کے اصول مساوات و عدل و حریت کو اپنا کر پوری دنیا کو اسلامی نظام کا قابل تقلید نمونہ پیش کرنا چاہیے۔ ۞

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ

''A-67 علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو، لاہور (حلقہ لاہور شرقی)'' میں

03 تا 09 اکتوبر 2026ء (بروز ہفتہ بعد نماز عصر تا بروز جمعۃ المبارک 12 بجے)

مبتدی تربیتی کورس کا انعقاد ہو رہا ہے۔

زیادہ سے زیادہ رفقاء متعلقہ کورس میں شریک ہوں۔

اور

09 تا 11 اکتوبر 2026ء (بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر تا بروز اتوار نماز ظہر)

ذمہ داران ریفریشر کورس کا انعقاد ہو رہا ہے۔

نوٹ: درج ذیل موضوع پر باہمی مذاکرہ ہوگا۔ ذمہ داران سے گزارش ہے کہ مطالعہ کر کے تشریف لائیں۔

☆ منہج انقلاب نبوی ﷺ، تصادم کا مرحلہ اول، صبر محض، عدم تشدد اور اعادہ سابقہ مذاکرہ۔

زیادہ سے زیادہ ذمہ داران پروگرام میں شریک ہوں۔

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0333-4640540/042-36293939

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت: (042)35473375-78

دجال کی عالمی حکومت اور نیو ورلڈ آرڈر کی حقیقت

قسط: 11

رفیق چودھری

جھوٹے نبیوں اور منحرفین کا فتنہ

632ء میں بنو حنیفہ کا وفد مدینہ آیا جس میں مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ واپس جا کر مسیلمہ نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں محمد ﷺ کی نبوت میں شریک ہوں اور آپ ﷺ کی طرف خط ارسال کیا جس کا متن یہ تھا:

"یہ خط مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول محمد کے نام ہے۔ السلام علیک! دیکھئے میں رسالت میں آپ کا شریک ہوں، آدھی زمین ہمارے لیے ہے اور آدھی قریش کے لیے مگر قریش زیادتی کرتے ہیں۔" (تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ 161)

اس کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ خط لکھا:

"یہ خط اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام ہے۔ ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام ہو، زمین اللہ کی ہے، اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنا دے اور حسن انجام پرہیزگاروں کا ہے۔" (V2-P161-5)

مذحج اور نجران کے لوگوں نے اسود عنسی (ذوالحمار) کو اپنا نبی مان لیا جو کہ ایک جادوگر اور شاعر تھا۔ اس نے حملہ کر کے بحرین اور یمن کے زیادہ تر علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ان دنوں رسول اللہ ﷺ بستر علالت پر تھے۔ ایک دن سر پر پٹی باندھے باہر تشریف لائے اور یہ خطبہ دیا:

"میں نے گزشتہ شب خواب میں دیکھا کہ میری کلائی میں دو کنگن سونے کے ہیں۔ میں نے ان کو ناپسندیدہ سمجھ کر پھینک دیا۔ اس خواب کی میں نے یہ تعبیر لی ہے کہ یہ دونوں کنگن دو کذاب (مسیلمہ اور اسود عنسی) ہیں۔" (بخاری)

ان دونوں کذابوں کی سرکوبی کے لیے آپ ﷺ نے احکامات بھی جاری کیے۔ لیکن آپ ﷺ کے دنیا سے رحلت فرماتے ہی مزید جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں ایک جادوگر طلیحہ بن خویلد تھا جس کے فتنے کا شکار ہو کر بنو اسد، بنو غطفان، بنو ہوازن، قبیلہ طے اور بنی اسرائیل کے کچھ فرقے بھی سرکش اور باغی ہو گئے۔ ایک جادوگرنی سجاح بنت الحارث بھی نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کئی گروہ اس کے ساتھ ہو گئے۔ اس نے مسیلمہ کذاب کے ساتھ شادی اور اتحاد کر کے اسلامی ریاست کے خلاف فتنہ کو مزید بڑھا دیا۔ اسی طرح منکرین زکوٰۃ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور اسلامی ریاست کے خلاف بغاوت کر دی۔ یہاں تک کہ قریش اور قبیلہ ثقیف کے علاوہ تمام قبائل منحرف اور مرتد ہو گئے۔

یہ حزب الشیطان کا اللہ کے نظام کے خلاف یکدم ایسا ہی حملہ تھا جیسا اس نے ابرہہ کے لشکر کے ذریعے حضور ﷺ کی پیدائش سے عین قبل خانہ کعبہ پر کیا تھا۔ شاید ابلیس کی کوشش تھی کہ اس مقدس مقام کو ہی مٹا دیا جائے جہاں سے اللہ کے نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کا آغاز اللہ کے آخری رسول ﷺ کے ذریعے ہوگا۔ اسی طرح آپ ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد یکدم چاروں طرف سے حملہ کر کے اللہ کے نظام کو مٹانے کی کوشش کی گئی تاکہ اس کے مقابلے میں ابلیس کے دجالی نظام کے عالمی غلبے کا آغاز ہو سکے۔ چنانچہ یہ حملہ مذہبی لحاظ سے بھی تھا جیسا کہ مسیلمہ، سجاح اور دیگر جھوٹے نبیوں، جادوگروں اور منحرفین نے نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا انکار کیا اور دینی لحاظ سے بھی تھا جیسا کہ ان سب نے اپنا اپنا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام نافذ کرنے کی کوشش کی۔ معلوم ہوا کہ جو بھی اللہ کے نظام کے مقابلے میں اپنا مذہبی اور دینی آرڈر نافذ کرنے کی کوشش کرے، وہی دجال ہے۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میری اُمت میں تیس دجال پیدا ہوں گے۔

بہرحال ابوبکر صدیق ؓ نے خلیفۃ الرسول ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے نہ صرف ان تمام فتنوں کی سرکوبی کر کے اللہ کے نظام کو بحال اور مستحکم کیا بلکہ خاتم النبیین ﷺ کے روم کے خلاف بھیجے ہوئے لشکر اسامہ کو بھی پہلی فرصت میں روانہ کیا جو اس بات کی علامت تھا کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ کا مشن اللہ کے دین کو عالمی نظام کے طور پر قائم کرنا تھا۔

عبداللہ بن سبا کا فتنہ

عبداللہ بن سبا ایک یہودی تھا۔ مورخین نے اس کے عقائد و کردار کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس کے مطابق وہ فتنہ پھیلانے کے لیے مسلمانوں میں داخل ہوا تھا۔ اگرچہ ابن سباء کے متعلق مختلف قیاس آرائیاں ہیں لیکن ہم یہاں نہ صرف عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کے مورخین کے نزدیک تسلیم شدہ اور مقبول مورخ ابن خلدون کا حوالہ پیش کریں گے جس نے اپنی مشہور کتاب تاریخ ابن خلدون میں لکھا ہے کہ:

"ابن سبا حضرت عثمان ؓ کے زمانہ خلافت میں مدینہ آکر بطمع مال و زر ایمان لایا مگر سچا و پکا دین دار نہ ہوا۔ اہل بیت کی محبت کی آڑ میں لوگوں کو امیر المومنین عثمان اور شیخین کے خلاف اُکساتا اور ان حضرات کے خلاف بہتان تراشتا رہا۔ اہل بصرہ اس خباثت سے مطلع ہوئے تو انہوں نے ابن سباء کو نکال باہر کیا، کوفہ پہنچا، جب وہاں سے بھی شہر بدر کیا گیا تو شام آیا اور شام سے شہر بدر ہو کر مصر پہنچا۔ امیر المومنین حضرت عثمان ؓ پر اکثر طعن و تشنیع کرتا اور خفیہ طور پر اہل بیت کو دعوت دیتا اور کہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پھر واپس آئیں گے جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم واپس آئیں گے اور علی ابن ابی طالب ؓ وصی رسول اللہ ہیں۔ عثمان اور ان سے پہلے ابوبکر و عمر نے جبراً غصباً بغیر کسی استحقاق کے خلافت حاصل کی۔ غرض لوگوں کو اسی قسم کی تعلیم دیتا اور امیر المومنین حضرت عثمان ؓ اور ان کے اعمال کے خلاف برانگیختہ کرتا۔ یہاں تک کہ بعض شہروں میں اکثر عوام الناس ان باتوں کی طرف مائل ہو گئے اور ان کی آپس میں خط و کتابت ہونے لگی۔

(تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ 341)

ابن خلدون کی اس گواہی سے سبائی فتنہ کے جو ابتدائی خدوخال ابھر کر سامنے آتے ہیں ان پر ذرا گہرائی میں جا کر ہم تحقیق کریں تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہودی عبداللہ بن سبا کا تعلق اُسی گروہ سے تھا جس نے اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر قبالہ (دجالی مذہب) کو اپنا دین بنا لیا تھا اور اس وجہ سے divine unity، پُنرجنم اور تناسخ جیسے باطل عقائد و تصورات ان کے مذہب کا حصہ تھے جن کے مطابق وہ خالق کائنات کی بجائے مخلوق میں خدائی کے قائل تھے۔ جیسا کہ فری میسنری سمیت تمام دجالی گروہوں کے بنیادی عقائد ہیں۔ اگر ہم اُس زمانے (ساتویں صدی عیسوی) کے یمن اور خاص طور پر حمیر (جہاں ابن سبا پیدا ہوا) کے علاقے کے مذہبی تصورات کا جائزہ لیں تو بآسانی اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔

حمیر اور دیگر جنوبی عرب قبائل قدیم "سبائی" اور "قتبانی" معبودوں (چاند، سورج، زہرہ وغیرہ) کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے اہم معبود المقہ (چاند دیوتا)، عشتار (زہرہ) اور ذوسماوی تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ سورج، چاند، ستاروں کی پرستش کا آغاز نمرود کے مذہب میں ہی ہوا تھا۔ چوتھی صدی عیسوی کے بعد حمیر میں سیاسی اور مذہبی تبدیلی آئی۔ کئی حکمرانوں نے یہودیت قبول کی لیکن سبائی اور قتبانی فرقے کے باطنی تصورات و عقائد ان میں موجود رہے۔ یمن کے حمیری حکمران تبع اسعد ابو کرب (چوتھی و پانچویں صدی عیسوی) کے دور میں بڑی تعداد میں لوگ یہودیت اختیار کر چکے تھے مگر ان میں غالب اکثریت ان یہودیوں کی تھی جو قدیم سبائی اور قتبانی باطنی تصورات اور بابل اور فلسطین کے تلمودی اور قبالی ربیوں کے زیر اثر تھے اور تورات کی بجائے تلمود بابلی اور مدراش کے باطنی تصورات پر اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کے کچھ بنیادی عقائد درج ذیل تھے:

1۔Techiyat HaMetim

اس باطنی عقیدہ کے مطابق ان کا خیال تھا کہ آخرالزمان میں نیک یہود دوبارہ زندہ ہوں گے۔ یہ عقیدہ بابل اور فلسطین کے ربیوں کے ذریعے یمن تک آیا تھا اور بابلیوں اور مصریوں کے دجالی عقیدہ تناسخ، پُنر جنم اور آواگون کا تسلسل تھا۔ جیسا کہ مصری اپنے مُردوں کو دوبارہ جی اُٹھنے کے خیال سے حنوط کرتے تھے۔ یہی عقائد ان یہودیوں کے تلمودی، باطنی اور قبالی مذہب کا حصہ تھے۔ جیسا کہ مدراش میں ہے:

"منتظر مسیحا (دجال) اُس وقت تک نہیں آئے گا جب تک guf میں موجود تمام ارواح اپنے جنم مکمل نہ کرلیں۔" (مدراش رباہ، 9:98)

یہودی باطنی اور قبالی صوفیانہ روایت کے مطابق: "Guf" ایک آسمانی روحانی ہیکل (Heavenly Temple) ہے جہاں سے روحوں کو کئی بار گزرنا پڑتا ہے، بعض روحیں دنیا میں اپنا "مشن" پورا نہیں کرتیں، تو دوبارہ جسم میں ڈالی جاتی ہیں۔ اس طرح بار بار جنم لینے کے بعد جب تمام ارواح اپنا روحانی مشن پورا کرلیں گی تب منتظر مسیحا (دجال) ظاہر ہوگا۔"

2۔نجات دہندہ کا تصور

جیسا کہ ہم نے پڑھا کہ تلمودی اور قبالی فکر ایک نجات دہندہ کا منتظر ہے جو ان کے مطابق آکر بنی اسرائیل کو نجات دلائے گا اور یروشلم میں خدا کی بادشاہت قائم کرے گا۔ یہ تصور یمن کے ان قبالی یہودیوں میں بھی موجود تھا جس کے مطابق ایک مسیح بن یوسف آئے گا جو جنگ کرے گا اور قربان ہو جائے گا، اس کے بعد مسیح بن داؤد آئے گا جو یہود کو نجات دلائے گا۔

3۔Divine Unity

بابلیوں اور مصریوں کی طرح اس یہودی فرقے میں بھی خدائی اتحاد (divine unity) کا تصور موجود تھا جس کے مطابق وہ اپنے بادشاہوں کو divine صفات کے ساتھ جوڑتے تھے اور انہیں "ابناء الآلهة" (خدا کے بیٹے) قرار دیتے تھے۔ حمیر کے بادشاہ اپنے آپ کو "ظل الالٰہ" (خدا کا سایہ) بھی قرار دیتے تھے۔ بادشاہ کا حکم الٰہی ارادے کی نمائندگی سمجھا جاتا تھا۔ حمیر کے کچھ مقامی قبائل میں آباؤاجداد کی پرستش بھی ہوتی تھی۔ مرے ہوئے آباؤاجداد کو دیوتا کے قریب مانا جاتا تھا۔ جنگی سردار یا شاہی شخصیات کے لیے "معبود نما" احترام تھا۔ انہی باطل تصورات کی وجہ سے وہ آنے والے مسیحا (دجال) کو بھی Divine اور Supernatural قرار دیتے تھے اور اپنے لیے نجات دہندہ تصور کرتے تھے۔

پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں یمن پر اس یہودی فرقے کا بڑا زور اور غلبہ تھا، یہاں تک کہ اللہ کو واحد معبودِ حقیقی ماننے والے عیسائیوں کو زبردستی اپنے باطنی یہودی فرقہ میں داخل کر رہے تھے۔ اسی دجالی کوشش کے نتیجہ میں اصحاب الاخدود کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے:

"ہلاک ہو گئے وہ کھائیوں والے۔ وہ آگ جو بڑی ایندھن والی تھی۔ جبکہ وہ اس (کے کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے اور مومنین کے ساتھ وہ جو کچھ کر رہے تھے خود اس کا نظارہ بھی کر رہے تھے اور وہ نہیں انتقام لے رہے تھے ان سے مگر اس لیے کہ وہ ایمان لے آئے تھے اللہ پر جو زبردست ہے اور اپنی ذات میں خود ستودہ صفات ہے۔" (البروج:4تا8)

اپنے باطل عقائد (پُنر جنم، تناسخ، دعویٰ خدائی وغیرہ) کی وجہ سے دجالی مذہب کے ماننے والوں کو چونکہ آخرت کی جوابدہی کا کوئی احساس نہیں ہوتا، اس لیے پوری انسانی تاریخ میں یہ لوگ ہمیشہ ظلم میں حد سے بڑھتے رہے۔ حمیر کے یہودی بادشاہ ذونواس کا تعلق بھی اسی یہودی باطنی فرقے سے تھا۔ اس نے بڑی بڑی خندقیں کھود کر ان میں آگ بھڑکائی اور اپنے لشکر کے ہمراہ اُن کے قریب بیٹھ کر نجران کے عیسائیوں کو حکم دیا کہ یا تو باطنی فرقہ (دجالی مذہب) اختیار کرلو یا پھر آگ میں جلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تفسیر ابن کثیر کے مطابق 20 ہزار کے قریب عیسائی بچوں، عورتوں اور مردوں کو اُس نے آگ کی اُن خندقوں (اخدود) میں ڈال کر جلا ڈالا۔ نجران کے یہ عیسائی حبشہ (ایتھوپیا) کے بادشاہ کے زیر اثر تھے اور ہم جانتے ہیں کہ حبشہ کے عیسائی اُس وقت تک توحید پر قائم تھے، جیسا کہ ہجرت حبشہ کے واقعہ میں حبشہ کے نجاشی بادشاہ نے اسلام کی تصدیق کی اور بعدازاں وہ حضور ﷺ پر ایمان بھی لے آیا تھا۔ اصحاب الاخدود کے واقعہ کے بعد حبشہ کے بادشاہ نے یمن پر چڑھائی کرکے ذونواس اور اس کے

یمن میں باطنی یہودیوں کی حمیاری بادشاہت 525ء میں اپنے عروج پر تھی جہاں عبداللہ بن سبا کی پیدائش ہوئی۔

باطنی فرقے کو سخت سزا دی۔ لیکن چھٹی صدی عیسوی کے آخر تک ان یہودیوں نے فارس کی ساسانی حکومت سے گٹھ جوڑ کر کے عیسائی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور اس کے بعد یمن پر مجوسیوں کی حکومت قائم ہوگئی اور لوگوں کو مجوسی مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا جس کی وجہ سے کافی لوگ مجوسی عقائد کے پیروکار بھی ہو گئے تھے جبکہ اس وقت تک مجوسیت میں بھی تناسخ اور divine unity جیسے تصورات کا غلبہ تھا۔

معلوم ہوا کہ عبداللہ بن سبا کے زمانے میں توحید پسند عیسائیوں کے سوا یمن کے باقی سب فرقے پُنر جنم، تناسخ اور divine unity جیسے عقائد کے قائل تھے جو کہ دجالی مذہب کے بنیادی عقائد ہیں۔ عبداللہ بن سبا کے نظریات میں انہی باطل عقائد کی جھلک تھی۔ جیسا کہ وہ کہتا تھا کہ حضرت محمد ﷺ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے، جس طرح حضرت عیسیٰ لائیں گے۔ اسی طرح وہ کہتا تھا کہ حضرت علیؓ دنیا سے نہیں گئے بلکہ" واپس آئیں گے" اور مہدی یا ایک طرح کے" ربانی نجات دہندہ" کے طور پر دنیا پر حکومت کریں گے۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو یہ تصور دیا کہ حضرت علیؓ غیبت میں ہیں اور دوبارہ دنیا کو عدل سے بھر دیں گے۔ اسی طرح اس نے حضرت علیؓ کی الوہیت کا دعویٰ بھی کیا۔ یہ بالکل اسی طرح کا تصور تھا جیسا کہ فری میسنری کے تیسرے درجے کی رسم میں حیرام ایبف کو اٹھانے کی ریہرسل کی جاتی ہے، جس کے بعد اُمیدوار یعنی ماسٹر میسن کو divine یعنی خدائی میں شریک سمجھا جاتا ہے۔ نمرودوں اور فرعونوں کے مذہب میں بھی اسی لیے مردوں کو حنوط کیا جاتا تھا کیونکہ اُن کے مطابق وہ دوبارہ جنم لے کر خدائی صفات کے حامل بن جائیں گے۔ جیسا کہ تموز اور ہورس کے بارے میں دجالیت کے تصورات ہیں۔ اسی طرح دجالیت میں دجال کو بھی dying and rising deity کے طور پر خدا مانا جاتا ہے۔

عبداللہ بن سبا پہلا شخص تھا جس کے ذریعے اسلام میں دجالی نظریات کی پیوندکاری کا عمل شروع ہوا۔ ابن سبا نے سب سے پہلے بصرہ کا انتخاب کیا، جب وہاں سے اس کے باطل خیالات کی وجہ سے اسے نکالا گیا تو اس کے بعد اس نے کوفہ کو اپنا ٹھکانا بنایا، وہاں سے دھتکارا گیا تو شام میں جا کر فتنہ پھیلایا اور وہاں سے نکالے جانے کے بعد مصر میں جا کر اپنا مرکز قائم کیا اور وہاں سے کوفہ اور بصرہ کے گمراہ لوگوں سے خط و کتابت جاری رکھی۔ کوفہ میں موجود اس کے گروہ نے یزید بن قیس کی قیادت میں پہلی بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی جسے قعقاع تمیمی نے دبا دیا لیکن یہ گروہ بڑھتا گیا اور شر پھیلتا گیا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد یہ فتنہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی آپس میں جنگیں ہوئیں اور حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین سمیت کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادتیں ہوئیں۔ اس فتنہ کے پیدا کردہ انتشار نے جس طرح اُمت کی فکری اور نظریاتی وحدت کو پارا پارا کیا، اسی طرح خلافت کے نظام کو کمزور کر کے اُمت کو بھی تقسیم و تفریق کا شکار بنا دیا اور آج تک اُمت مسلمہ اس فتنہ کی وجہ سے تفریق و تقسیم کا شکار ہے اور دشمنانِ اسلام اُمت کو مغلوب کرنے کے لیے اس تفرقے کو ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں جس کا سب سے بڑا فائدہ صیہونی اسرائیل کو پہنچ رہا ہے۔ (جاری ہے)

❁❁❁

پریس ریلیز 18 ستمبر 2026ء

شجاع الدین شیخ

موجودہ جنگیں درحقیقت 25 برس قبل نائن الیون کے ڈرامے کے بعد شروع کی گئی "وار آن ٹیرر" کا ہی تسلسل ہیں۔ مکہ مکرمہ کے بعد طائف پر مبینہ ڈرون حملوں کی میڈیا اطلاعات انتہائی پریشان کن ہیں۔ جب تک مسلم ممالک اپنے حقیقی دشمنوں کے خلاف متحد نہیں ہوتے، نقصان ہی اُٹھاتے رہیں گے۔

موجودہ جنگیں درحقیقت 25 برس قبل نائن الیون کے ڈرامے کے بعد شروع کی گئی" وار آن ٹیرر" کا ہی تسلسل ہیں۔ مکہ مکرمہ کے بعد طائف پر مبینہ ڈرون حملوں کی میڈیا اطلاعات انتہائی پریشان کن ہیں۔ جب تک مسلم ممالک اپنے حقیقی دشمنوں کے خلاف متحد نہیں ہوتے، نقصان ہی اُٹھاتے رہیں گے۔ ان خیالات کا اظہار تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ایک بیان میں کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ 25 برس قبل جب امریکہ میں ٹوئن ٹاورز گرانے کا ڈراما رچا کر بغیر کسی ثبوت کے الزام عالم اسلام پر دھر دیا گیا تو اُس وقت کے امریکی صدر جارج بُش نے واضح اعلان کیا تھا کہ افغانستان پر حملوں سے ایک نئی 'کروسیڈ' کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی کروسیڈ، جس کے پیچھے صیہونی سازش کھڑی ہے، آج پوری دنیا کو آگ اور خون کی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ گزشتہ 25 سالوں کے دوران امریکہ نے ایک بدمست ہاتھی کی طرح پہلے چالیس ممالک کے اتحاد کے ساتھ افغانستان پر حملہ کر کے لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا اور پھر 'وپنز آف ماس ڈسٹرکشن' (WMDs) کا جھوٹا بہانا بنا کر برطانیہ کو ساتھ ملایا اور عراق پر حملہ کر کے وہاں بھی لاکھوں مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد لیبیا، شام اور اب غزہ، لبنان اور ایران پر حملے کر کے صیہونیوں کے 'گریٹر اسرائیل' کے دجالی منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں آگے بڑھ رہا ہے۔ دوسری طرف مسلم ممالک کی حالت زار یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے کے درپے ہیں، جس کا بھرپور فائدہ امریکہ اور ناجائز صیہونی ریاست اسرائیل اُٹھا رہے ہیں۔ امریکہ کا سرزمین عرب میں قائم اڈوں سے ایران پر حملے جاری رکھنا اور جوابی طور پر ایران کا عرب ممالک پر حملے کرنا انتہائی تشویش ناک صورت حال اختیار کر چکا ہے۔ پھر یہ کہ حوثیوں اور سعودی عرب کے مابین بڑھتی ہوئی کشیدگی اور میڈیا اطلاعات کے مطابق پہلے مکہ مکرمہ اور اب طائف پر ڈرون حملے دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے انتہائی پریشان کن ہیں۔ اسی دوران ناجائز صیہونی ریاست اسرائیل نے تباہ حال غزہ پر دوبارہ بمباری شروع کر دی ہے اور صیہونیوں کو اس غیر انسانی ظلم سے روکنے کے لیے کوئی مسلم ملک یا 'دفاعی اتحاد' عملی قدم اُٹھانے کے لیے تیار دکھائی نہیں دیتا۔ بھارت بھی مقبوضہ کشمیر اور دیگر کئی بھارتی ریاستوں میں مساجد گرانے اور مسلمانوں پر ظلم ڈھانے میں مصروف ہے۔ امیر تنظیم نے کہا کہ جب تک مسلم ممالک اپنے اصل دشمنوں یعنی اسرائیل، امریکہ اور بھارت کے خلاف متحد ہو کر سیاسی اور سفارتی دباؤ بڑھانے کے ساتھ معاشی پابندیاں لگانے اور عسکری اتحاد بنانے کے لیے عملی اقدامات نہیں اُٹھاتے، اُس وقت تک آپس کے تفرقہ اور جنگ میں ہی مبتلا رہیں گے جس کا فائدہ دشمن کے سوا کسی کو نہ ہوگا۔ آخر میں اُنہوں نے دعا کی اللہ تعالیٰ مسلم ممالک کے حکمرانوں کو اسلام کا بول بالا کرنے اور طاغوتی قوتوں کو شکست فاش دینے کے لیے باہمی اتحاد قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

اقوام متحدہ کے 81 سال اور دنیا کا بے امن سفر

خالد نجیب خان

پہلی جنگ عظیم	←	لیگ آف نیشنز
دوسری جنگ عظیم	←	اقوام متحدہ
جنگ عظیم	←	???

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا سالانہ اجلاس نیویارک میں جاری ہے، جہاں مختلف رکن ممالک کے سربراہان یا اُن کے نمائندگان کو اظہار خیال کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ یہاں اُن کی تقاریر پورے پروٹوکول کے ساتھ ڈیلیور کرائی جاتی ہیں، تاہم یہ ضروری نہیں کہ اُن تقاریر کو براہِ راست سننے کے لیے تمام رکن ممالک کے سربراہان یا اُن کے نمائندگان وہاں موجود بھی ہوں۔ اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ کسی ملک کا سربراہ پورے جوش و خروش سے وہاں تقریر کر رہا ہوتا ہے اور ہال کی نشستیں نفوس سے خالی ہوتی ہیں، گویا کرسیوں پر کوئی بشر موجود ہی نہیں۔ حتیٰ کہ بعض اوقات صدرِ مجلس کی نشست پر بھی اُن کا کوئی نمائندہ ہی موجود ہوتا ہے۔ تاہم یہ ایک اچھی بات ضرور ہے کہ وہاں کی گئی تمام تقاریر ریکارڈ پر موجود رہتی ہیں اور اُن پر کارروائی کی رسم بھی پوری کی جاتی ہے۔

اقوام متحدہ کا ادارہ دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر 24 اکتوبر 1945ء کو معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اس ادارے کے قیام کے بنیادی مقاصد بین الاقوامی امن و سلامتی، انسانی حقوق کا تحفظ، عالمگیر تعاون اور بین الاقوامی قوانین کی پاسداری بتائے گئے تھے۔ واضح رہے کہ پہلی جنگ عظیم کے اختتام کے بعد 1919ء میں لیگ آف نیشنز کا ادارہ بھی اسی مقصد سے بنایا گیا تھا کہ کسی بھی طرح دوسری جنگ عظیم کا راستہ روکا جا سکے۔ بدقسمتی سے لیگ آف نیشنز اپنا کردار نہ نبھا سکی اور دوسری عالمگیر جنگ ہونی تھی، سو ہو کر رہی، جبکہ اقوام متحدہ کا ادارہ بننا تھا سو بن کر رہا۔

یہ ادارہ اب گزشتہ 81 سال سے عالمی سطح پر جنگوں کو روکنے، تمام رکن ممالک کے درمیان تنازعات کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے اور دوسری جنگ عظیم جیسی صورتحال دوبارہ پیدا نہ ہونے کے لیے کام کرنے پر مامور سمجھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ادارہ دنیا بھر میں بنیادی انسانی حقوق، آزادی اور برابری کا ضامن بھی تصور کیا جاتا ہے۔ پھر معاشی، سماجی، ثقافتی اور انسانی فلاح و بہبود کے مسائل پر تمام رکن ممالک کو ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کام کرنے کے مواقع فراہم کرنا بھی اسی کے ذمہ لگا دیا گیا ہے۔ مختلف ممالک کے درمیان طے پانے والے معاہدوں اور بین الاقوامی قوانین پر عمل درآمد کو یقینی بنانا بھی اسی ادارے کی ذمہ داری تصور کی جاتی ہے۔

1945ء میں امریکی شہر سان فرانسسکو میں جب اس ادارے کی تشکیل کے لیے چارٹر تیار ہوا تو اس پر 51 ممالک کے نمائندوں نے دستخط کیے اور یہ بھی طے پایا کہ اس ادارے کا مرکزی دفتر امریکہ کے شہر نیویارک میں ہوگا۔ اقوام متحدہ کی موجودہ عمارت کی تعمیر کا کام 14 ستمبر 1948ء کو نیویارک میں شروع ہوا۔ اس کی سیکرٹریٹ بلڈنگ کا 39 منزلہ ٹاور 1950ء تک مکمل ہوگیا اور عملے نے فوری طور پر وہاں اپنا کام شروع کر دیا۔ تاہم پوری عمارت 1952ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی اور 9 اکتوبر 1952ء کو باضابطہ طور پر اسے فعال کر دیا گیا۔

یہاں ایک دلچسپ بات سامنے آتی ہے کہ 1945ء میں جب یہ ادارہ تشکیل پایا تو رکن ممالک کی تعداد صرف 51 تھی، جو 81 سال میں بڑھتے بڑھتے تقریباً چار گنا ہو چکی ہے۔ ممالک کی فہرست میں یہ اضافہ نئی دنیائیں دریافت ہونے کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ پہلے سے موجود ممالک کی باہمی جنگوں، خانہ جنگیوں اور تقسیم در تقسیم کے نتیجے میں ہوا ہے۔ رکن ممالک کی فہرست میں آخری اضافہ یعنی 193 واں ملک، جنوبی سوڈان ہے جو آج سے 15 سال پہلے یعنی 14 جولائی 2011ء کو اقوام متحدہ کا رکن بنا۔

یہاں ایک بات اور بھی واضح ہو جانی چاہیے کہ دنیا میں صرف 193 آزاد ممالک ہی موجود نہیں ہیں بلکہ بہت سے ایسے خطے اور ریاستیں بھی ہیں جو خود مختار ہونے کا دعویٰ تو رکھتی ہیں یا عملاً اپنی حکومتیں چلا رہی ہیں، مگر اقوام متحدہ کا حصہ نہیں ہیں، کیونکہ اقوام متحدہ کے ارکان میں سے زیادہ تر ممالک انہیں خود مختار ریاستیں تسلیم نہیں کرتے۔ یوں دنیا کی سیاسی حقیقت اقوام متحدہ کی رکنیت کی فہرست سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔

یہاں یہ بات بھی بہت تکلیف دہ ہے کہ اقوام متحدہ کا ادارہ دیکھنے اور سننے میں تو بہت خود مختار ہے، مگر عملی طور پر اس کے فیصلے اور کارروائیاں بڑی طاقتوں کے مفادات سے آزاد نہیں۔ بالخصوص سلامتی کونسل میں ویٹو کا اختیار رکھنے والی پانچ طاقتیں کسی بھی عالمی تنازعے کے حل یا عدمِ حل میں فیصلہ کن کردار ادا کر سکتی ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اقوام متحدہ کے عالمی امن کے دعوے اور دنیا کے عملی حالات کے درمیان ایک بڑا سوال کھڑا ہو جاتا ہے۔

پاکستان کو اقوام متحدہ کا رکن بنے 79 برس ہو گئے ہیں جبکہ اقوام متحدہ کی عمر پاکستان سے صرف دو سال زیادہ ہے۔ مطالعۂ پاکستان اور تاریخ کی دیگر کتابوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے گزشتہ نصف صدی سے ہم بھی ذاتی طور پر اخبارات کے قاری ہیں۔ اس دوران شاید ہی کوئی ایسا دن گزرا ہو جب دو مختلف ممالک میں جنگ، جنگ کی دھمکی یا جنگ کے بعد کے حالات کے حوالے سے کوئی خبر شائع نہ ہوئی ہو۔ اس کے علاوہ ایک ہی دن کے اخبار میں دو سے زیادہ جنگوں یا تنازعات کی خبریں بھی شائع ہوتی رہی ہیں اور آج بھی ہو رہی ہیں۔

بچپن میں تاریخ کی کتابوں میں جب کسی جنگِ عظیم کا تذکرہ پڑھتے تھے تو جھرجھری سی آ جاتی تھی۔ خصوصاً ہیروشیما اور ناگاساکی کے حالات جان کر تو جسم میں کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔ مگر گزشتہ ربع صدی کے دوران ہونے والی جنگوں اور ان کی تباہی کا حال جان کر محسوس ہوتا ہے کہ وہ تباہی تو کچھ بھی نہیں تھی۔ اب تو ہر روز ہی دنیا کے کسی نہ کسی خطے میں جنگ لڑی جا رہی ہے۔

اخبارات کی شہ سرخیوں میں عموماً دنیا میں کسی ایک جنگ یا اس سے ہونے والی تباہی کا ہی ذکر ملتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دنیا میں کسی اور جگہ جنگ نہیں ہو رہی یا جنگ کی تیاری نہیں کی جا رہی۔ صرف گزشتہ دو برس کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سال کا شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو جسے مکمل طور پر ”وار فری“ کہا جا سکے۔

جنوری 2025ء میں صدر ٹرمپ نے روس اور یوکرین کی جاری جنگ کے علاوہ اسرائیل اور غزہ کی جنگ 'بند کرانے' کی کوششیں شروع کیں۔ اس کے نتیجے میں یہ جنگ باضابطہ طور پر ختم تو نہ ہوئی مگر میڈیا میں اس حوالے سے خبریں آنا بتدریج کم ہوگئیں اور ساتھ ہی پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگی کشیدگی کی خبریں آنا شروع ہوگئیں۔ یہ سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ ایران پر حملوں کی خبریں میڈیا میں جگہ بنانے لگیں، پھر مشرقی جمہوریہ کانگو کا تنازع سامنے آ گیا۔ اسی دوران سوڈانی مسلح افواج اور ریپڈ سپورٹ فورسز کے درمیان جاری جنگ بھی عالمی منظرنامے پر موجود رہی۔ میانمار کی ملٹری جنتا اور عوامی دفاعی فورسز کے درمیان جنگ، صومالی لینڈ، لبنان، شام اور یمن کے تنازعات بھی خبروں کا حصہ بنتے رہے۔

سالِ رواں میں جب اسرائیل اور امریکہ نے مل کر ایران پر حملہ کیا تو ایران نے امریکی اڈوں پر جوابی حملے کیے، جس سے متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، کویت، قطر سمیت خطے کے کئی دیگر ممالک کا امن متاثر ہوا۔ اسی دوران بھی روس یوکرین پر میزائل داغ رہا تھا تو کبھی یوکرین روس پر حملہ کر رہا تھا۔

سوڈان میں جاری جنگ کی مکمل تفصیلات اگر سامنے نہیں آتیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہاں سب خیر ہے۔ کشمیر آزاد ہو یا مقبوضہ، دونوں اطراف سے اگر ہمیں اصل خبریں نہیں ملتیں تو اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہاں امن قائم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حصولِ امن والی خبروں کا راستہ روک دینے سے امن قائم نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لیے اصل اور قابلِ عمل راستہ اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ان حالات میں جنگوں سے دور بیٹھا کوئی بھی شخص یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوسکتا ہے کہ تیسری عالمی جنگ کسی نہ کسی شکل میں شروع ہوچکی ہے۔

گزشتہ دنوں امریکہ اور اسرائیل نے مل کر جب ایران پر حملہ کیا تو اس جنگ میں ایران کو بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا، مگر دونوں ممالک وہ مقصد حاصل نہ کر سکے جس کے لیے انہوں نے جنگ چھیڑی تھی۔ پھر امریکہ مختلف بہانوں سے اس جنگ سے نکلنے لگا اور مسلسل بڑھکیں لگاتا رہا، مگر دنیا دیکھ رہی تھی کہ امریکہ کی یہ بڑھکیں محض ''فیس سیونگ'' کے لیے ہیں۔ اسی دوران مکہ معاہدے کے تحت سعودی عرب، پاکستان اور ترکیہ ایک پلیٹ فارم پر آ گئے۔ یہ معاہدہ ہونے سے پہلے بھی سعودی عرب پر یمن کے حوثی حملے کرتے رہے تھے۔ عام لوگ یہی خیال کر رہے تھے کہ مکہ معاہدے کے بعد حوثیوں اور ایران سے نمٹا جائے گا، مگر ایران اور امریکہ دونوں نے ان خدشات کی تردید کر دی۔ ساتھ ہی یہ خبر بھی سامنے آئی کہ ایران کو بھی مکہ معاہدے میں شامل کیا جائے گا۔

یہ خبریں زیرِ بحث ہی تھیں کہ یمن کے حوثیوں نے باب المندب کو بند کرتے ہوئے سعودی عرب کے بعض شہروں پر حملے کیے، جس سے جانی اور مالی دونوں طرح کے نقصانات ہوئے۔ اس صورتِ حال نے ایک بار پھر یہ سوال اٹھا دیا کہ اگر ایک مسلم ملک پر حملہ ہو تو دوسرے مسلم ممالک کا ردِعمل محض مذمت تک محدود رہنا چاہیے یا باہمی دفاع کے معاہدوں کو عملی شکل بھی اختیار کرنی چاہیے؟ ان حالات میں ہمارے ہاں بعض حلقوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جا رہا تھا کہ مکہ معاہدے پر عمل درآمد کرتے ہوئے سعودی عرب پر حملے کو پاکستان پر حملہ کیوں تصور نہیں کیا جا رہا۔ اس حوالے سے حکومتِ پاکستان نے وضاحت کی ہے کہ پاکستان سعودی عرب کی علاقائی سالمیت، خودمختاری اور سکیورٹی کی غیر متزلزل حمایت جاری رکھے گا۔ حوثی حملے خطے کے امن اور سلامتی کے لیے خطرہ ہیں، پاکستان سعودی عرب کی شہری اور اقتصادی تنصیبات پر حملوں کی شدید مذمت کرتا ہے۔ مکہ دفاعی معاہدے کے تحت اسلام آباد کی جانب سے کسی فوجی کارروائی پر فی الحال کوئی بات چیت نہیں ہوئی، تاہم وقت آنے پر پاکستان معاہدے کے تحت کارروائی کرے گا۔

ترجمان دفترِ خارجہ نے یہ بھی بتایا کہ فی الحال مکہ معاہدے کی توسیع زیرِ غور نہیں کیونکہ متعلقہ ممالک کو پہلے اپنی تنظیم کو مضبوط بنانا ہوگا، اس کے بعد یہ ان تمام ممالک کے لیے کھلا ہوگا جو اسی طرح کے خیالات، تصورات اور ضروریات رکھتے ہیں۔

یہاں سے معاملہ صرف سعودی عرب، یمن یا ایران تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کا تعلق مسلم دنیا کے مستقبل اور اس کی اجتماعی سلامتی سے جڑ جاتا ہے۔ ناجائز صہیونی ریاست اسرائیل اپنے گریٹر اسرائیل منصوبے کی تکمیل میں پاکستان کو سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتی ہے اور اس رکاوٹ کو دور کرنے سے پہلے وہ دیگر چھوٹی چھوٹی رکاوٹوں کو ختم کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے۔ اس وقت پاکستان سے پہلے بڑی رکاوٹ ایران کو سمجھا جا رہا ہے، جسے براہِ راست ہٹانے کی کوشش کی گئی مگر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

اب دوسرا راستہ یہ اختیار کیے جانے کا خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ خودمختار مسلم ریاستوں کو آپس میں لڑوا کر کمزور کیا جائے اور اس دوران دوبارہ توانائی حاصل کر کے براہِ راست مقابلے پر آیا جائے۔ اچھی بات یہ ہے کہ عمان (ابراہیم اکارڈز میں شمولیت کے علاوہ!) ابھی تک امریکہ و اسرائیل کے جھانسے میں نہیں آیا، تاہم اس کے بعد خطے کی دبی ہوئی راکھ کو ہلا جلا کر چند چنگاریاں ضرور حاصل ہوگئی ہیں جن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

تازہ ترین صورتِ حال میں امریکہ، جو سعودی عرب کے دفاع کا ذمہ دار سمجھا جاتا رہا ہے، نے حوثیوں کے خلاف مدد دینے سے یکسر انکار کر دیا ہے۔ اس صورتِ حال سے اس موقف کو تقویت ملتی ہے کہ امریکہ کے عقب میں چھپی ناجائز صہیونی ریاست اسرائیل مسلم ممالک کو آپس میں لڑا کر اپنا فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ مسلم ممالک اس حقیقت کو سمجھیں کہ ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہونے والی قوت بالآخر سب کو کمزور کرے گی۔

اس وقت حوثیوں کے ساتھ ساتھ سعودی عرب والوں سے بھی ہماری گزارش ہے کہ وہ کسی طاقت کا آلۂ کار نہ بنیں اور صحیح معنوں میں ؎

''ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے''

کا علم لے کر نکلیں۔ مسلم دنیا نے اگر اپنے مسائل کا حل باہمی اتحاد، اجتماعی دفاع اور اپنی ترجیحات کے تعین میں تلاش نہ کیا تو اقوامِ متحدہ کی ناکامی کے بعد کسی نئے عالمی پلیٹ فارم کا قیام بھی بعید از قیاس نہیں۔ فرق یہ ہوگا کہ اس بار شاید دنیا کو جنگیں روکنے کے لیے نہیں بلکہ جنگوں سے بچنے کے لیے ایک نیا پلیٹ فارم بنانا پڑے۔

❁❁❁

دعائے صحت کی اپیل

☆ حلقہ بہاول نگر و مروت کے امیر محترم حاجی محمد ریاض دل کے عارضے میں مبتلا ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام بیماروں کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقاء و احباب سے بھی بیماروں کے لیے دعائے صحت کی اپیل کی جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُکَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا

اسلام میں ایثار و قربانی کی اہمیت

مولانا محمد عظیم قاسمی

افراد انسانی کا اجتماعی ڈھانچہ معاشرہ کہلاتا ہے، اجتماعی زندگی کی درستگی اور اس کو پرسکون وخوشگوار بنانے کے لیے کچھ کلیدی صفات کی ضرورت ہے، خصوصاً نوجوان نسل کو ان صفات سے متصف ہونا انتہائی ضروری ہے، اگر معاشرے میں ان صفات کا خیال نہ رکھا جائے تو اجتماعی زندگی پریشانی، الجھن اور مصیبتوں کی آماجگاہ بن جاتی ہے، پھر معاشرے کا وہی حشر ہوتا ہے جس سے آج مغربی معاشرہ دوچار ہے اور ہمارے معاشرے میں بھی وہ ساری خامیاں آہستہ آہستہ داخل ہو رہی ہیں۔

چونکہ جوان جس طرح گھر خاندان کا ایک فرد ہے اور گھریلو وخاندانی ماحول کے پرسکون بنانے کے لیے نوجوان کی ذمہ داریاں اس کے کچھ حقوق ہیں، اسی طرح گھر خاندان کے دائرے سے آگے نوجوان اپنے گرد وپیش معاشرے کا بھی ایک فرد ہے؛ بلکہ صحت مند اور اسلامی معاشرے کے تشکیلی عناصر کا جزو لاینفک ہے اور معاشرے کی اصلاح اور اسلامی وخوشگوار معاشرے کی تشکیل کے لیے نوجوان کی ذمہ داری سب سے اہم ہے اس کے اسلامی کردار وگفتار، اخلاق اور اعمال حسنہ کے بغیر معاشرے کی اصلاح اور اسلامی معاشرے کا وجود نا کام ونا تمام رہتا ہے۔

نوجوانان ملت کے بے شمار واقعات ہیں کہ انہوں نے اپنے اسلامی کردار واعمال، اچھے اخلاق کے ذریعہ ایک مثالی معاشرہ قائم کیا، ایثار وہمدردی یعنی دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا اور دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا اسلام کی معاشرتی تعلیم ہے، معاشرہ کے اجتماعی نظام کے استحکام اور بقا میں اس کا بڑا عمل دخل ہے۔

امام واقدی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے بڑی مالی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، فاقوں تک نوبت پہنچ گئی، گھر سے اطلاع آئی کہ عید کی آمد آمد ہے اور گھر میں کچھ نہیں ہے، بڑے تو صبر کرلیں گے؛ لیکن بچے مفلسی کی عید کیسے گزاریں گے؟ یہ سن کر میں اپنے ایک تاجر دوست کے پاس قرض لینے گیا، وہ مجھے دیکھتے ہی سمجھ گیا اور بارہ سو درہم کی سربمہر ایک تھیلی میرے ہاتھ پکڑا دی۔ میں گھر ابھی آیا ہی تھا کہ میرا ایک ہاشمی دوست آیا، اس کے گھر بھی افلاس وغربت نے ڈیرا ڈالا تھا، وہ قرض چاہتا تھا، میں نے گھر جاکر اہلیہ کو قصہ سنایا، کہنے لگی کتنی رقم دینے کا ارادہ ہے، میں نے کہا تھیلی کی آدھی رقم تاکہ دونوں کا کام چل جائے، اہلیہ نے کہا بڑی عجیب بات ہے کہ آپ کو ایک عام آدمی نے بارہ سو درہم دیئے اور آپ اس کو ایک عام آدمی کے عطیہ کا نصف دے رہے ہیں، آپ اسے پوری تھیلی دے دیں، لہٰذا میں نے پوری تھیلی اس کے حوالے کردی وہ تھیلی لے کر گھر گیا تو میرا تاجر دوست اس ہاشمی کے پاس گیا، کہا عید کی آمد آمد ہے گھر میں کچھ نہیں ہے کچھ رقم قرض چاہیے، ہاشمی نے وہی پوری تھیلی تاجر دوست کے حوالے کردی، تاجر کو اپنی ہی دی ہوئی تھیلی دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ تاجر دوست تھیلی ہاشمی کے پاس چھوڑ کر میرے پاس آیا، میں نے اس کو پورا واقعہ سنایا، دراصل تاجر دوست کے پاس بھی اس تھیلی کے سوا کچھ نہیں تھا، اس نے سارا مجھے دے دیا تھا اور خود قرض لینے ہاشمی کے پاس چلا، ہاشمی نے جب وہ تھیلی حوالے کرنا چاہی تو راز کھل گیا۔

ایثار وہمدردی کے اس انوکھے واقعہ کی اطلاع جب وزیر یحییٰ بن خالد کے پاس پہنچی تو وہ دس ہزار دینار لے کر آئے، کہنے لگے ان میں دو ہزار آپ کے، دو ہزار آپ کے ہاشمی دوست کے، دو ہزار تاجر دوست کے اور چار ہزار آپ کی اہلیہ کے ہیں؛ کیوں کہ وہ تو سب سے زیادہ قابل قدر اور لائق اعزاز ہے۔

اسی طرح حضرت ربیع بن خیثمؒ مشہور تابعی ہیں، ان کے زہد وتقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی کے یادگار واقعات تاریخ کی کتابوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

ایک مرتبہ ان پر فالج کا حملہ ہوا، صاحب فراش ہوگئے، انسان بیمار ہو تو خواہشات کا نخل آرزو ہرا ہو جاتا ہے، انھیں مرغی کے گوشت کھانے کی خواہش ہوئی، چالیس دن تک اس کا اظہار نہیں کیا، اس کے بعد بیوی سے کہا، انہوں نے مرغی کا گوشت بنا کر آپ کے سامنے پیش کیا، ابھی آپ نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازے پر فقیر نے صدا لگائی، آپ نے اپنا ہاتھ کھینچا اور اہلیہ سے فرمایا یہ فقیر کو دے آؤ، اہلیہ نے کہا میں فقیر کو اس سے بہتر چیز دے آتی ہوں، آپ نے پوچھا وہ کیا ہے، کہنے لگیں اس کی قیمت۔ فرمایا، بہت اچھا قیمت لے آؤ، وہ قیمت لے کر آئیں تو آپ نے فرمایا یہ کھانا اور قیمت دونوں اس فقیر سائل کو دے آؤ۔

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات نوجوان نسل کو اچھے اخلاق وکردار کا خوگر بنانا چاہتی ہے، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے، اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا اچھے اخلاق!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں، جو اخلاق کے اعتبار سے زیادہ اچھے ہیں۔ بلاشبہ اخلاق کا مقام بہت بلند مقام ہے اور انسان کی سعادت ونیک بختی، فلاح وکامرانی کے معراج میں اخلاق کا بڑا اہم اور خاص دخل ہے، کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

اخلاق کی دولت سے بھرا ہے میرا دامن
گو پاس میرے درہم و دینار نہیں ہیں

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات نوجوان نسل کو اخلاق حسنہ کا درس دیتی ہیں۔ بزرگوں کا ادب واحترام، چھوٹوں پر شفقت، علماء کی قدر ومنزلت، محتاجوں اور بے کسوں کی داد رسی، ہم عمروں کے ساتھ محبت والفت اور جذبۂ ایثار وہمدردی کا سبق دیتی ہے۔ معلم اخلاق محمد عربی ﷺ نے ((مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا لَيْسَ مِنَّا)) (ترمذی) ”جو شخص چھوٹوں کے ساتھ رحم اور بڑوں کی توقیر نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔“ بظاہر یہ ایک مختصر سی حدیث ہے؛ لیکن اپنے اندر ایسی وسعت وگہرائی رکھتی ہے کہ اگر ساری کائنات اس حدیث پر عمل کرلے تو دنیا کے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ہر شخص اپنے چھوٹوں سے پیار ومحبت، شفقت ورحم کا معاملہ اور نرمی کا برتاؤ کرے اور ہر چھوٹا اپنے بڑوں کی عزت واحترام کو ملحوظ رکھے، ان کی تعظیم وتکریم کرے تو جذبۂ ایثار وہمدردی پروان چڑھے گا اور اس طرح

معاشرہ الفت ومحبت کا گہوارہ بن جائے گا۔

اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کے جذبۂ ایثار اور دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینے کی ایسی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں، جس کی نظیر کسی دوسری قوم ومذہب میں نہیں ملتی۔

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری کے گھر رات کو مہمان آ گیا، ان کے پاس صرف اتنا کھانا تھا کہ یہ خود اور ان کے بچے کھا سکیں، انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچوں کو کسی طرح سلا دو اور گھر کا چراغ گل کر دو پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر برابر بیٹھ جاؤ کہ مہمان سمجھے کہ ہم بھی کھا رہے ہیں؛ مگر ہم نہ کھائیں؛ تا کہ مہمان پیٹ بھر کھا سکے۔ (ترمذی)

حضرت قشیریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے نقل کیا کہ صحابۂ کرام ؓ میں سے ایک بزرگ کو کسی شخص نے ایک بکری کا سر ہدیہ کے طور پر پیش کیا، اس بزرگ نے خیال کیا کہ ہمارا فلاں بھائی اور اس کے اہل وعیال ہم سے زیادہ ضرورت مند ہیں، یہ سر ان کے پاس بھیج دیا، یہ سر جب دوسرے بزرگ کے پاس پہنچا تو اسی طرح انہوں نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیج دیا، حتیٰ کہ سات گھروں میں پھرنے کے بعد یہ سر پہلے بزرگ کے پاس واپس آ گیا۔

ایک مرتبہ فاروق اعظم ؓ نے چار سو دینار ایک تھیلی میں رکھ کر غلام کے سپرد کیا کہ ابوعبیدہ بن جراح ؓ کے پاس لے جاؤ کہ ہدیہ ہے قبول کر کے اپنی ضرورت میں صرف کر لیں اور غلام کو ہدایت کر دی کہ ہدیہ دینے کے بعد کچھ دیر گھر ٹھہر جانا اور دیکھنا کہ ابوعبیدہؓ اس رقم کو کیا کرتے ہیں، غلام نے حسب ہدایت یہ تھیلی حضرت ابوعبیدہ ؓ کی خدمت میں پیش کر دی اور ذرا ٹھہر گیا، ابوعبیدہ ؓ نے تھیلی لے کر کہا کہ اللہ ان کو یعنی حضرت عمر ؓ کو اس کا صلہ دے اور ان پر رحمت فرمائے اور اسی وقت اپنی کنیز کو کہا کہ لو یہ سات فلاں کو پانچ فلاں شخص کو دے آؤ، حتیٰ کہ پورے چار سو دینار اسی وقت تقسیم کر دیے، غلام نے واپس آ کر واقعہ بیان کر دیا، حضرت عمر ؓ نے اسی طرح چار سو دینار کی ایک دوسری تھیلی تیار کی ہوئی غلام کو دے کر ہدایت کی کہ معاذ بن جبل ؓ کو دے آؤ اور وہاں بھی دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں، یہ غلام لے گیا، انہوں نے تھیلی لے کر حضرت عمر ؓ کے حق میں دعا دی: ''اللہ ان پر رحمت فرمائے اور ان کو صلہ دے۔'' یہ بھی تھیلی لے کر فوراً تقسیم کرنے کے لیے بیٹھ گئے اور اس کے بہت سے حصے کر کے مختلف گھروں میں بھیجتے رہے۔

حضرت معاذ ؓ کی بیوی یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھیں۔ آخر میں بولیں کہ ہم بھی تو بخدا مسکین ہی ہیں؛ ہمیں کچھ ملنا چاہیے۔ اس وقت تھیلی میں صرف دو دینار رہ گئے تھے، وہ ان کو دے دیئے۔ غلام یہ دیکھنے کے بعد لوٹا اور حضرت عمر ؓ سے بیان کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ یہ سب بھائی بھائی ہیں۔

غور کیجیے کہ ان نفوسِ قدسیہ کے اندر فقر وفاقہ اور اپنی ضرورت واحتیاج کے باوجود اپنے دینی بھائی کی ضرورت وحاجت کو مقدم رکھنے اور اپنی بیوی بچوں کو بھوکا سلا دینے کی یہ صفاتِ محمودہ صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کی صحبت وتربیت سے آئی۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت حذیفہ عدوی ؓ کا ہے، فرماتے ہیں کہ میں جنگ یرموک میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش شہداء کی لاشوں میں کرنے کے لیے نکلا اور کچھ پانی ساتھ لیا کہ اگر ان میں کچھ جان ہوئی تو پانی پلا دوں گا۔ ان کے پاس پہنچا تو کچھ رمق زندگی کی باقی تھی۔ میں نے کہا کہ کیا آپ کو پانی پلا دوں، اشارے سے کہا کہ ''ہاں'' مگر فوراً ہی قریب سے ایک دوسرے شہید کی آواز ''آہ آہ'' کی آئی تو میرے بھائی نے کہا کہ یہ پانی پہلے ان کو دے دو، میں ان کے پاس پہنچا اور پانی دینا چاہا تو تیسرے آدمی کی آواز ان کے کان میں پڑی، اس نے پہلے تیسرے کو دینے کے لیے کہہ دیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سات شہیدوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا۔ جب ساتویں شہید کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکے تھے، یہاں سے اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔

اندازہ کیجیے کہ اگر پیاس کی شدت، گرمی ودھوپ کی تپش، زخموں سے چور اور پھر حالت بھی نزاع کی ایسے نازک موقع پر دوسروں کا خیال محض نبی کریم ﷺ کی تعلیم وتربیت آپ کے عملی نمونہ اور قوت ایمان کا ہی کرشمہ ہو سکتا ہے، اخلاق واقدار کی بلندی کے اسی اعجاز کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ﴾ (الحشر: 9) ''اور وہ تو خود پر ترجیح دیتے ہیں دوسروں کو خواہ ان کے اپنے اوپر تنگی ہو۔''

دینی اخوت، اسلامی ہمدردی وغمخواری، للٰہیت، الفت ومحبت دوسروں کی خبر گیری وخیر خواہی اور بے غرضانہ تعاون یہ وہ اخلاق واقدار ہیں، جن کے ذریعہ آپس میں دل ایک دوسرے سے ملے رہتے ہیں، آپسی تعاون وہمدردی کا جذبہ پائیدار و بیدار ہوتا ہے۔ معاشرتی زندگی کے حوالے ان اخلاق واقدار سے متصف ہوئے بغیر ''نسل نو'' ماحول ومعاشرہ میں اسلامی کردار کی ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہو سکتی، نئی نسل کی اولین ذمہ داری یہی ہے کہ وہ اسلام کی تعلیم اخلاقیات سے آراستہ وپیراستہ ہو کر معاشرہ میں خود اس کا عملی نمونہ پیش کرے۔

جنھیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہوگی

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(10 تا 16 ستمبر 2026ء)

جمعرات 10 ستمبر: مرکزی اسرہ کے اجلاس کی آن لائن صدارت کی۔ سہ پہر میں ایک رفیق تنظیم سے ملاقات ہوئی۔

جمعۃ المبارک 11 ستمبر: خطاب جمعہ مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، ڈیفنس کراچی میں ارشاد فرمایا۔ بعد نماز جمعہ مشیر خصوصی برائے مالیات ورابطہ جناب فیصل منصوری سے مختصر ملاقات کی۔

پیر 14 ستمبر: "Bahria University of Health Sciences Karachi" میں "سیرت النبی ﷺ سے نوجوانوں کے لیے فکری وعملی رہنمائی'' کے موضوع پر خطاب کیا اور طلبہ کے سوالات کے جوابات دیے۔

منگل 15 ستمبر: بعد نماز عشاء گھر سے متصل جگہ پر، مقامی تنظیم کے رفقاء کے تعاون سے اہل محلہ کے لئے منعقد ہونے والے خطاب میں ''مقصدِ حیات'' کے موضوع پر گفتگو کی۔

بدھ 16 ستمبر: ''Bahria College NORE-I Karachi'' میں ''معلم کائنات ﷺ'' کے موضوع پر خطاب کیا اور طلبہ کے سوالات کے جوابات دیے۔ رات کو لاہور آمد ہوئی۔

معمول کی مصروفیات: نائب امیر صاحب سے مستقل رابطہ رہا نیز تنظیمی امور انجام دیے۔ منتخب قرآنی نصاب کے حوالے سے مختلف ذمہ داریاں ادا کیں۔ گھریلو اسرہ کا اہتمام نیز رفقاء واحباب سے تعزیت وعیادت کے حوالے سے رابطہ بھی جاری ہے۔

میرے استاد، میرے محسن

عبدالرؤف

جب میں اپنے استادوں کا تصور کرتا ہوں تو میرے ذہن کے پردے پر کچھ ایسے لوگ ابھرتے ہیں جو بہت دلچسپ، مہربان، پڑھے لکھے اور ذہین ہیں اور ساتھ ہی میرے محسن بھی ہیں۔

جب میں باغ بالا ر اسکول (کراچی) میں کے جی کلاس میں پڑھتا تھا تو مس نگہت ہماری استانی تھیں۔ مار پیٹ کے بجائے بہت پیار سے پڑھاتی تھیں۔ صفائی پسند اتنی تھی کہ گندگی دیکھ کر انہیں غصہ آ جاتا تھا اور کسی بچے کے گندے کپڑے یا بڑھے ہوئے ناخن دیکھ کر اس کی ہلکی پھلکی پٹائی بھی کر دیتی تھیں۔ مجھے بھی بڑھے ہوئے ناخنوں پر ایک مرتبہ مار پڑی تھی۔ اب میں جب بھی اپنے بڑھے ہوئے ناخن دیکھتا ہوں تو مجھے مس نگہت یاد آ جاتی ہیں اور فوراً ناخن کاٹنے بیٹھ جاتا ہوں۔

پہلی جماعت میں پہنچا تو مس نسیم ہماری استانی تھیں۔ مس نسیم استانی کم اور جلاد زیادہ تھیں۔ بچوں کی اس طرح دھنائی کرتی تھیں جیسے دھنیا روئی دھنتا ہے۔ ایسی سخت مار پیٹ کرتی تھیں کہ انسان کو پڑھائی سے، اسکول سے اور کتابوں سے ہمیشہ کے لیے نفرت ہو جائے۔ جو استاد اور استانیاں یہ تحریر پڑھ رہے ہیں، ان سے میں درخواست کرتا ہوں کہ بچوں کو مار پیٹ کر نہ پڑھایا کریں۔ بہت ضروری ہو تو ڈانٹ ڈپٹ کر لیا کریں۔ اس تحریر کو پڑھنے والے جو بچے اور بچیاں بڑے ہو کر استاد اور استانیاں بنیں وہ بھی یاد رکھیں کہ مار پیٹ سے بچے پڑھتے نہیں بلکہ پڑھائی سے بھاگتے ہیں۔ بچوں کو تعلیم سے بے زار کرنے میں پٹائی کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ ہاں کبھی کبھار منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے ایک آدھ ہلکا پھلکا تھپڑ پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اچھے بچوں کو اس کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔

ضیا صاحب چھٹی جماعت میں ہمیں اردو پڑھاتے تھے۔ اگرچہ ضیا صاحب ہر وقت اپنے ساتھ ایک لچکیلی چھڑی رکھتے تھے لیکن اس کا استعمال کم ہی کرتے تھے۔ انھوں نے میری اردو کا تلفظ صحیح کرنے اور خوش خط لکھنے میں بہت مدد دی۔ ضیا صاحب ہوم ورک کے طور پر ایک صفحہ روزانہ خوش خط لکھنے کو کہتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ کچھ بھی لکھو، عبارت کہیں سے بھی اتارو، چاہے کسی اخبار سے یا رسالے سے یا کتاب سے اور چاہو تو کوئی کہانی ہی لکھ لاؤ مگر لکھو ضرور اور لکھو بھی صاف صاف اور خوبصورت۔ میں کتاب سے کوئی عبارت اتارنے کے بجائے اکثر دل سے قصے کہانیاں بنا کر لکھ کر لے جایا کرتا تھا۔ شاید یہیں سے مجھے کہانیاں لکھنے کا چسکا پڑ گیا۔ کہانیاں پڑھنے کی لت تو پہلے سے تھی ہی۔ ضیا صاحب کے لیے آج بھی دل سے دعا نکلتی ہے۔ اُن کا سکھایا پڑھایا بہت کام آیا۔

ساتویں جماعت میں جناب طیب عباسی ملے جو ہمیں عربی پڑھایا کرتے تھے۔ بچوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ بہت مذہبی آدمی تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بھی سنایا کرتے تھے۔ بچوں کی شاذ و نادر ہی پٹائی کی ہوگی۔ کلاس بہت شور مچاتی تو بس موٹ غصے سے کہتے: "بھائی کیا ہو رہا ہے۔" بچے اتنے شریر تھے کہ ان کا نرم سلوک دیکھ کر اور شیر ہو جاتے اور انھیں بار بار "بھائی کیا ہو رہا ہے" کہنا پڑتا۔ عباسی صاحب کا محبت بھرا برتاؤ اب بھی بہت یاد آتا ہے۔

آٹھویں جماعت میں میں نے سیفیہ اسکول میں داخلہ لے لیا۔ یہاں جس استاد نے میرے دل و دماغ پر قبضہ جما لیا وہ سید محمد طاہر صاحب تھے۔ آپ ہمیں اردو پڑھاتے تھے۔ نہ صرف ان کے پڑھانے کا انداز بہت عمدہ تھا بلکہ وہ خوش مزاج بھی تھے۔ قہقہہ بہت بلند آواز میں لگاتے تھے اور دیر تک ہنستے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ اسکول کی راہ داریوں میں، اسٹاف روم میں یا کسی جماعت کے کمرے میں ہوتے تو بھی ان کے قہقہے سے پتا چل جاتا تھا کہ طاہر صاحب یہیں کہیں ہیں۔ ان کی دلچسپ باتوں پر پوری کلاس دل کھول کر قہقہے لگایا کرتی تھی۔ چنانچہ ہمارا اردو کا پریڈ سب سے مزیدار ہوتا تھا اور لگتا ہی نہیں تھا کہ پڑھائی ہو رہی ہے، لیکن پڑھائی ساتھ ساتھ ہوتی جاتی تھی۔ طاہر صاحب کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں شعر یاد تھے۔ موقع کی مناسبت سے غضب کا شعر پڑھتے تھے۔ اس سے میرا شعر و شاعری کا شوق بہت بڑھ گیا۔ وہ جماعت میں طالب علموں سے شعر سنانے کی فرمائش کرتے۔ اگر کوئی لڑکا اچھا شعر پڑھتا تو بہت داد دیتے اور حوصلہ افزائی کرتے۔ طاہر صاحب نے ہمیں تین سال تک یعنی آٹھویں، نویں اور دسویں میں اردو پڑھائی اور حق یہ ہے کہ اردو پڑھانے کا حق ادا کر دیا۔ اوروں کا تو میں نہیں کہہ سکتا، لیکن میرے اندر انھوں نے اردو زبان اور اردو شعر و ادب کا ایک ایسا ذوق اور مطالعے کا ایسا شوق پیدا کر دیا جس نے آگے چل کر میری پڑھائی اور زندگی پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ اللہ انہیں خوش رکھے۔

انہیں تین سالوں میں شبیر صاحب سے بھی ربط ضبط رہا۔ اگرچہ سائنس کے آدمی تھے اور الجبرا اور طبیعات یعنی فزکس پڑھاتے تھے، لیکن شاعری سے اور ادب سے انہیں بھی بڑا لگاؤ تھا۔ اسی طرح ہمارے ایک استاد احمد صاحب تھے۔ وہ خود شاعر تھے اور کچھ دنوں تک میں ان سے (شاعری پر) اصلاح بھی لیتا رہا۔

تیسری چوتھی جماعت میں میں نے رسالے، کہانیاں اور ناول اس طرح چاٹنا شروع کر دیے جیسے وہ قلفی یا کھٹا میٹھا چورن ہو۔ اسی دور میں میں نے ہمدرد نونہال پڑھنا شروع کر دیا اور یہ میرے من کو ایسا بھایا کہ آج تک اسے نہیں چھوڑ سکا بلکہ اب تو میرا بیٹا سجاد بھی اسے پڑھتا ہے۔ ہر ماہ جب اخبار والا ہمدرد نونہال کا تازہ شمارہ دے جاتا ہے تو دونوں باپ بیٹے اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ اسے پہلے میں پڑھ لوں اور اب تو سجاد کی امی جان محترمہ بھی اس دوڑ میں شریک ہو گئی ہیں۔

ہمدرد نونہال سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ اس سے میں نے اردو سیکھی۔ ہمدرد نونہال سے میں نے کہانیاں اور مضمون لکھنا سیکھا۔ بے شمار معلومات اور عقل کی باتیں اس نے مجھے سکھائیں۔ درحقیقت ہمدرد نونہال بھی میرے استادوں میں شامل ہے۔ نونہال بچوں کی تربیت کے حوالے سے بہترین رسالہ ہے۔

ابھی اپنے استادوں کا یہ ذکر کچھ طویل ہوتا جا رہا ہے، اس لیے میں اسے ختم کرتا ہوں لیکن ٹھہریے! استادوں کا یہ ذکر الیاس صاحب کے بغیر بھلا کیسے مکمل ہو سکتا ہے؟ انہوں نے ہمیں 8th اور 9th میں ڈیڑھ سال انگریزی پڑھائی۔ انگریزی پڑھائی کیا تھی بس گھول کر پلا دی تھی۔ انگریزی گرامر کی بعض چیزیں انہوں نے جس طرح ہنسا ہنسا کر اور مذاق ہی مذاق میں پڑھا دیں وہ اتنے کام کی نکلیں کہ وہیں سے صحیح معنوں میں انگریزی ہماری سمجھ میں آنے لگی۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے اور دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مالا مال کرے۔ آمین!

درحقیقت میرے تمام استاد میرے محسن ہیں، چاہے وہ اسکول کے زمانے کے ہوں، کالج کے ہوں یا یونیورسٹی کے۔ انہوں نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ مجھے علم کی دولت سے مالا مال کیا۔ مجھے اس وقت عقل اور تعلیم دی جب میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ ❁❁❁

اخبارِ اسلام

غزہ اصل صورتحال کیا ہے؟ (شکریہ فرینڈز آف فلسطین)

- غزہ میں حال ہی میں اسرائیلی جیل سے رہائی پانے والے فلسطینی قیدی فرج حامد کو ڈرون حملے میں شہید کردیا گیا۔وہ اُن چند قیدیوں میں سے تھے جنہیں طویل حراست کے بعد رہا کرکے غزہ منتقل کیا گیا تھا۔شمالی غزہ میں قابض اسرائیلی فورسز کی فائرنگ سے 4 فلسطینی جاں بحق و زخمی ہوگئے جبکہ غزہ شہر کے مغرب میں شارع الشورہ پر اسرائیلی ڈرون حملے میں ایک فلسطینی شہید اور متعدد زخمی ہوئے۔
- امریکی کانگریس کے 69 ڈیموکریٹ اور آزاد ارکان نے وزیر خارجہ مارکو روبیو سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ قابض اسرائیل کی حراست میں موجود فلسطینی ڈاکٹر حسام ابوصفیہ کی رہائی کے لیے فوری مداخلت کریں۔وہ دسمبر 2024ء سے زیر حراست ہیں۔
- حماس نے برکس کی 18ویں سربراہی کانفرنس کے نئی دہلی اعلامیے میں فلسطینی عوام کے حق خودارادیت،حق واپسی اور 1967ء کی سرحدوں پر آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کی حمایت کا خیر مقدم کیا ہے۔حماس نے جبری نقل مکانی کی مخالفت،غزہ میں جغرافیائی و آبادیاتی تبدیلی مسترد کرنے،مقبوضہ بیت المقدس کی حیثیت تبدیل کرنے کی یک طرفہ کوششوں کی مخالفت اور انروا کی حمایت کو سراہتے ہوئے برکس ممالک سے عملی اقدامات کا مطالبہ کیا ہے۔
- اسرائیلی رپورٹس کے مطابق غرب اردن میں تقریباً 180 موجودہ بستیوں کے علاوہ مزید 84 بستیاں،140 زرعی فارمز اور 100 سے زائد آؤٹ پوسٹس قائم ہو چکی ہیں۔
- غزہ میں اسکولوں اور کنڈرگارٹن کے طلبہ کی آمدورفت کے لیے استعمال ہونے والی 450 سے زائد بڑی بسوں میں سے اب صرف 50 بسیں باقی رہ گئی ہیں۔دستیاب بسوں کی کمی کے باعث تقریباً 50 مسافروں کی گنجائش رکھنے والی گاڑیوں میں 85 سے 90 افراد سفر کرنے پر مجبور ہیں۔ٹرانسپورٹ بحران کے باعث طبی عملے،ملازمین اور دیگر خدماتی اداروں کے کارکنوں کو بھی مشکلات کا سامنا ہے۔
- فلسطینی قبائل،عشائر اور خاندانوں کے قومی اتحاد نے غزہ میں خاندانی تنازعات اور جھگڑوں کے دوران اسلحہ استعمال نہ کرنے کے لیے سماجی مہم شروع کردی ہے۔مہم کے تحت مختلف خاندانوں کے دیوان خانوں اور بیٹھکوں کا دورہ کیا جارہا ہے اور قانون و عدلیہ سے رجوع کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔
- فلسطینی قومی تحریک کی ایگزیکٹو باڈی نے فلسطینی قومی کونسل کے ارکان کے انتخاب کے لیے الیکٹورل کالج اور باہمی تقرری کے طریقہ کار کو مسترد کرتے ہوئے اندرون فلسطین،پناہ گزین کیمپوں اور بیرون ملک مقیم فلسطینیوں کو براہ راست ووٹ کے ذریعے نمائندے منتخب کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔تحریک نے فلسطینی قومی منصوبے کی ازسرنو تشکیل،متحدہ قومی محاذ اور وسیع قومی اتحاد کے قیام پر زور دیتے ہوئے آزادی، واپسی اور حق خودارادیت کے لیے جدوجہد کو ترجیح قرار دیا ہے۔
- حماس کے عسکری ونگ القسام بریگیڈز نے جنرل ملٹری کونسل کے رکن اور خان یونس بریگیڈ کے کمانڈر محمد عبدالسلام الیازوری المعروف ابوہاشم کی شہادت کا اعلان کیا ہے کہ وہ 10 ستمبر 2026ء کو خان یونس کے مواصی علاقے پر اسرائیلی فضائی حملے میں شہید ہوگئے ہیں۔

مسلم دنیا سے متعلق دیگر ممالک کی اہم خبریں

- **ایران: امریکہ سے مذاکرات سے انکار، آبنائے ہرمز پر سخت موقف:** اسپیکر باقر قالیباف نے کہا ہے کہ عالمی تیل کی قیمتوں کو کنٹرول کرنا اب ممکن نہیں رہا اور امریکی اقدامات کے باوجود قیمتوں میں اضافہ جاری ہے۔سلامتی کونسل کے رہنما محسن رضائی نے کہا کہ امریکا کے متضاد بیانات سے گمراہ نہیں ہونا چاہیے،ایران اپنی شرائط پوری ہونے تک مذاکرات نہیں کرے گا۔صدر پزشکیان نے کہا ہے کہ جنگ امریکہ اور اسرائیل نے شروع کی،ایران صرف اپنا دفاع کر رہا ہے وہ خطے کے ممالک سے جنگ نہیں چاہتا اور تمام پڑوسی ممالک کو بھائی سمجھتا ہے،تاہم خطے میں موجود امریکی فوجی اڈوں سے مسئلہ ہے۔دوسری جانب ایران نے آبنائے ہرمز کھولنے کے لیے امریکہ کو 7 شرائط پیش کی ہیں اور واضح کیا ہے کہ شرائط پوری ہونے تک آبنائے نہیں کھولی جائے گی۔
- **امریکہ: ایران کی مدد کرنے پر روسی بینک پر پابندیاں:** امریکہ نے ایران کو تکنیکی اور معاشی مدد فراہم کرنے کے الزام میں روسی وی ٹی بی بینک پر پابندیاں عائد کی ہیں۔وزیر خزانہ کے مطابق کارروائی کا مقصد تہران اور ماسکو کے درمیان مالیاتی نیٹ ورک توڑنا اور ایران پر عائد بین الاقوامی پابندیوں پر عمل درآمد یقینی بنانا ہے۔
- **سعودی عرب: معدنی ذخائر دریافت اور حوثی حملے:** سعودی وزیر توانائی شہزادہ عبدالعزیز بن سلمان نے ویانا میں بین الاقوامی جوہری توانائی ایجنسی کی جنرل کانفرنس سے خطاب کے دوران جبل صاید منصوبے میں ارضیاتی تحقیق اور کھدائی کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ مدینہ منورہ میں تقریباً 11 کروڑ ٹن خام معدنی ذخائر دریافت ہوئے ہیں جن میں نایاب معدنیات کے علاوہ یورینیم بھی موجود ہے۔ادھر یمنی حوثیوں نے سعودی عرب کے خمیس مشیط میں کنگ خالد ایئربیس پر درجنوں بیلسٹک میزائلوں اور ڈرونز سے حملے کا دعویٰ کیا ہے۔حوثیوں کے مطابق طیاروں کے ہینگرز، ریڈارز، رن ویز اور گولہ بارود کے ذخائر کو نشانہ بنایا گیا۔ایسٹ ویسٹ آئل پائپ لائن کو بھی ڈرون حملے میں نقصان پہنچانے کا دعویٰ کیا ہے۔سعودی عرب نے دعویٰ کیا ہے کہ اُس نے مکہ مکرمہ کی حدود میں داخل ہونے والے ڈرون روکے ہیں جس کی حوثیوں نے تردید کی ہے۔دوسری جانب حوثی ذرائع نے یمن کے تعز اور صعدہ میں سعودی فضائی حملوں کا دعویٰ کیا ہے۔اسرائیلی اخبار ''اسرائیل ہایوم'' نے دعویٰ کیا ہے کہ سعودی ولی عہد شہزادہ بن سلمان نے امریکی سینٹکام کے ذریعے انصار اللہ کے خلاف اسرائیل سے انٹیلی جنس معاونت طلب کی جو فراہم کردی گئی۔(ان حالات میں مسلم ممالک کو متحد ہو کر ناجائز صیہونی ریاست اسرائیل کے خلاف ڈٹ جانا چاہیے تاکہ عالمی طاقتوں کے ہاتھ میں کھیلتے رہیں)
- **بھارت: مسلمانوں کے خلاف کارروائیوں میں اضافہ:** ریاست آسام کے ضلع گوالپارہ میں انتظامیہ نے 73 مسلم خاندانوں کے مکانات مسمار کردیے۔متاثرہ خاندانوں کا کہنا ہے کہ اُن کے پاس زمین کی قانونی دستاویزات موجود تھیں۔مغربی بنگال میں سریندر ناتھ لا کالج کی وائس پرنسپل ڈاکٹر محمدی ترنم کو احتجاج اور دباؤ کے ذریعے استعفیٰ دینے پر مجبور کیا گیا۔

تحقیق: خالد نجیب خان (معاون مرکزی شعبہ نشرواشاعت)

چمکدار صفائی
گہرائی تک اثر
شاندار صفائی، اُجلی دھلائی
کم مقدار، زیادہ صفائی
منفرد اور دیرپا خوشبو
رنگوں کی حفاظت
کپڑوں کی حفاظت
جلد کی حفاظت
1kg
KLINIT
Multi Action Power Magic
Detergent Powder
DELIVERY ALL OVER PAKISTAN
میرا با اعتماد انتخاب
شاندار صفائی
کم پیسے، زیادہ دھلائی
بھرپور جھاگ، داغوں کا صفایا
مہکتی خوشبو
1kg
TWO IN ONE ACTION
Whiff
Detergent Powder
Cleans + Disinfects
Let your Clothes Smile!
JR Industries:
Shah House, Plot # A89-91, Dhani Bux,
Sector 51-A, Scheme 33, Karachi Pakistan
For Online Order
0304 706 1265
jri.com.pk

Vol: 35 Regd. No. C.P.L NO.114 No.36

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore